کلیاتِ ساغر
مرے سوزِ دل کے جلوے یہ مکاں مکاں اُجالے
مری آہِ پُر اثر نے کئی آفتاب ڈھالے
ساغر صدیقی

## ملی

بزمِ کونین سجانے کے لیے آپؐ آئے
شمعِ توحید جلانے کے لیے آپؐ آئے

ایک پیغام، جو ہر دل میں اُجالا کر دے
ساری دُنیا کو سُنانے کے لیے آپؐ آئے

ایک مدّت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو
ایک مرکز پہ بلانے کے لیے آپؐ آئے

ناخدا بن کے اُبلتے ہوئے طوفانوں میں
کشتیاں پار لگانے کے لیے آپؐ آئے

قافلہ والے بھٹک جائیں نہ منزل سے کہیں
دُور تک راہ دکھانے کے لیے آپؐ آئے

چشمِ بیدار کو اسرارِ خدائی بخشے
سونے والوں کو جگانے کے لیے آپؐ آئے

○

محمدؐ باعثِ حُسنِ جہاں ایمان ہے میرا
محمدؐ حاصلِ کون و مکاں ایمان ہے میرا

محمدؐ اوّل و آخر محمدؐ ظاہر و باطن
محمدؐ ہیں بہر صورت عیاں ایمان ہے میرا

شرف اِک کملی والے نے جنہیں بخشا ہے قدموں میں
وہ صحرا بن گئے ہیں گلستاں ایمان ہے میرا

محبت ہے جسے غارِ حرا میں رونے والے سے
وہ انساں ہے خدا کا رازداں ایمان ہے میرا

معطّر کر گئے ساغرؔ فضائے گلشنِ ہستی
نبیؐ کے گیسوئے عنبر فشاں ایمان ہے میرا



○

جاری ہے دو جہاں پہ حکومت رسولؐ کی
کرتے ہیں مہر و ماہ اطاعت رسولؐ کی

ایمان ایک نام ہے حُبِّ رسولؐ کا
ہے خُلد کی بہار محبت رسولؐ کی

نوکِ مژہ پہ جن کی رہے اشکِ کربلا
پائیں گے حشر میں وہ شفاعت رسولؐ کی

غارِ حرا کو یاد ہیں سجدے رسولؐ کے
دیکھی ہے پتھروں نے عبادت رسولؐ کی

دامانِ عقل و ہوش سہارا نہ دے مجھے
چاہت خدا کی بن گئی چاہت رسولؐ کی

ساغرؔ تمام عالم ہستی ہے بے حجاب
آنکھوں میں بس رہی ہے وہ خلوت رسولؐ کی

سرمایۂ حیات ہے سیرت رسولؐ کی
اسرارِ کائنات ہے سیرت رسولؐ کی

پھولوں میں ہے ظہور ستاروں میں نُور ہے
ذاتِ خُدا کی بات ہے سیرت رسولؐ کی

بنجر دِلوں کو آپؐ نے سیراب کر دیا
اِک چشمۂ صفات ہے سیرت رسولؐ کی

چشمِ کلیم ایک تجلّی میں بِک گئی
جلووں کی واردات ہے سیرت رسولؐ کی



جورو جفا کے واسطے برقِ ستم سہی
دُنیائے التفات ہے سیرت رسولؐ کی

تصویرِ زندگی کو تکلّم عطا کیا
حُسنِ تصوّرات ہے سیرت رسولؐ کی

ساغر سرور و کیف کے ساغر چھلک اُٹھے
صبحِ تجلّیات ہے سیرت رسولؐ کی

○

لبوں پہ جس کے محمدؐ کا نام رہتا ہے
وہ راہِ خُلد پہ محوِ خرام رہتا ہے

جو سَر جُھکائے محمدؐ کے آستانے پر
زمانہ اس کا ہمیشہ غلام رہتا ہے

ہمیں نہ چھیڑ کہ وارفتگانِ بطحا ہیں
ہمیں تو شوقِ مدینہ مدام رہتا ہے

وہ دو جہاں کے اَمیں ہیں' انھی کے ہاتھوں میں
سپرد کون و مکاں کا نظام رہتا ہے



جو غمگسار ہے نادار اور غریبوں کا
وہ قُدسیوں میں بھی عالی مقام رہتا ہے

لگن ہے آلِ مدینہ کی جس کے سینے میں
وہ زندگی میں بہت شاد کام رہتا ہے

ہمیں ضرورتِ آبِ بقا نہیں ساغؔر
ہمارے سامنے کوثر کا جام رہتا ہے

○

ہمیں جو یاد مدینے کا لالہ زار آیا
تصوّرات کی دُنیا پہ اِک نکھار آیا

کبھی جو گنُبدِ خضرا کی یاد آئی ہے
بڑا سکوُن مِلا ہے، بڑا قرار آیا

یقین کر کہ محمدؐ کے آستانے پر
جو بدنصیب گیا ہے وہ کامگار آیا

ہزار شمس و قمر راہِ شوق سے گزرے
خیالِ حُسنِ محمدؐ جو بار بار آیا

عرب کے چاند نے صحرا بسا دیئے ساغر
وہ ساتھ لے کے تجلّی کا اِک دیار آیا



○

جس طرف چشمِ محمدؐ کے اشارے ہو گئے
جتنے ذرّے سامنے آئے ستارے ہو گئے

جب کبھی عِشق محمدؐ کی عنایت ہو گئی
میرے آنسو کوثر و زمزم کے دھارے ہو گئے

موجۂ طوفاں میں جب نام محمدؐ لے لیا
ڈوبتی کشتی کے تِنکے ہی سہارے ہو گئے

یا محمدؐ آپ کی نظروں کا یہ اعجاز ہے
جس طرف اُٹھیں نگاہیں، سب تمہارے ہو گئے

میں ہُوں اور یادِ مدینہ اور ہیں تنہائیاں
اپنے بیگانے سبھی مُجھ سے کنارے ہو گئے

اپنی کملی کا ذرا سایہ عنایت ہو مجھے
دل کے دُشمن یا محمدؐ دل سے پیارے ہو گئے

ڈوبنے والوں نے جب نام محمدؐ لے لیا
حلقۂ طوفان کو حاصل کنارے ہو گئے

ان کی نظروں میں یقیناً باغ جنت کچھ نہیں
جس کی نظروں کو مدینے کے نظارے ہو گئے

چند لمحے آستانِ پاک پر گزرے ہیں جو
وہ ہمارِی زندگانی کے سہارے ہو گئے

سبز گنبد کے لیے اشعارِ ساغرؔ مرحبا
جگمگا کر زندگی کے ماہ پارے ہو گئے



نہ ہوتا درِ محمدؐ کا تو دیوانے کہاں جاتے
خدا سے اپنے دل کی بات منوانے کہاں جاتے

جنہیں عشقِ محمدؐ نے کیا ادراک سے بالا
حقیقت اِن تمنّاؤں کی سمجھانے کہاں جاتے

خدا کا شُکر ہے یہ حجرِ اسود تک رسائی ہے
جنہیں کعبے سے نسبت ہے وہ بُتخانے کہاں جاتے

اگر آتی نہ خوشبوئے مدینہ میری آنکھوں سے
جو مرتے ہیں نہ جلتے ہیں وہ پروانے کہاں جاتے

سمٹ آئے مری آنکھوں میں حُسنِ زندگی بن کر
شرابِ درد سے مخمور نذرانے کہاں جاتے

چلو اچھا ہوا ہے نعتِ ساغرؔ کام آئی ہے
غلامانِ نبیؐ محشر میں پہچانے کہاں جاتے

یہ کہتی ہیں فضائیں زندگی دو چار دن کی ہے
مدینہ دیکھ آئیں زندگی دو چار دن کی ہے

سنہری جالیوں کو چوم کر کچھ عرض کرنا ہے
مچلتی ہیں دُعائیں زندگی دو چار دن کی ہے

غمِ انساں کی اِک صورت عبادت خیز ہوتی ہے
کِسی کے کام آئیں زندگی دو چار دن کی ہے

وہ راہیں ثبت ہیں جن پر نشاں پائے محمدؐ کے
انہیں منزل بنائیں زندگی دو چار دن کی ہے

غمِ دنیا غمِ عقبیٰ یہ سب جھوٹے سہارے ہیں
کِسے اپنا بنائیں زندگی دو چار دن کی ہے

بیادِ کربلا ساغرؔ سدا برسیں ان آنکھوں سے
یہ رحمت کی گھٹائیں زندگی دو چار دن کی ہے



جب بھی نعتِ حضورؐ کہتا ہُوں
ذرّے ذرّے کو طُور کہتا ہُوں

شامِ بطحا کی زَرفشانی کو
مطلعِ صُبحِ نُور کہتا ہُوں

بوریا جو تری عنایت ہے
اس کو تختِ سمور کہتا ہُوں

رِند اور مدحتِ نبیؐ یارو
شانِ ربِّ غفور کہتا ہُوں

تشنگی اور یادِ کربل کو
جامِ کیف و سُرور کہتا ہُوں

ایک اُمّی نبیؐ کو اے ساغرؔ
تاجدارِ شعُور کہتا ہُوں

○

مائلِ جور سب خدائی ہے — یا رسُولؐ خدا دُہائی ہے
ان کے قدموں پہ جھکنے والوں نے — دولتِ دو جہان پائی ہے
ایک بَل گیسوئے مُحمدؐ کا — حاصلِ وصفِ کبریائی ہے
جُھوم اٹھیں گھٹائیں رحمت کی — کملیؐ والے کی یاد آئی ہے
پھر تخیّل میں ہے درِ اقدس — پھر چمن میں بہار آئی ہے
عرشِ اعظم پہ جس کا چرچا ہے — آپؐ کی شانِ مُصطفائی ہے
اب نہیں دل کو کوئی غم ساغر — غمِ احمدؐ سے آشنائی ہے



○

ہے تقدیسِ شمس و قمر سبز گُنبد
متاعِ قرار نظر سبز گُنبد

جلالِ خُدائے سمٰوات کہیے
کمال جہانِ بشر سبز گُنبد

نگارانِ ہستی چلو! سُوئے بطحا
ہے تسکینِ قلب و جگر سبز گُنبد

درِ مصطفائیؐ کی سطوت نہ پُوچھو
جُھکاتا ہے شاہوں کے سر سبز گُنبد

برستے ہیں راحت کے اسرار ساغر
ہے ظلمت میں فردِ سَحر سبز گنبد

○

آنکھ گلابی مست نظر ہے !     اللہ ہی جانے کون بشر ہے
حور و ملائک حاضرِ خدمت     عرشِ معلّٰی راہ گزر ہے
گیسوئے مُشکیں رُوحِ مُزمّل     رُخ پہ طلوعِ نورِ سحر ہے
ماتھے پہ روشن روشن صحرا     جلوۂ رنگیں حُسنِ قمر ہے
اَبروئے عالی آیۂ قرآں     سینۂ اقدس کانِ گہر ہے
مُہرِ نبوّت پُشت پناہی     مسندِ یزداں آپؐ کا گھر ہے
چاند ستارے نقشِ کفِ پا     منزلِ ہستی گردِ سفر ہے
صبر و قناعت شانِ رسالتؐ     سطوتِ شاہاں زیرِ اثر ہے
غارِ حرا تھی اس کی کمائی     ساری خدائی جس کا ثمر ہے

نامِ محمدؐ جگ اُجیالا
لوگ کہیں جسے کملیؐ والا



○

غم کے ماروں کا آسرا تم ہوؐ
بے سہاروں کا آسرا تم ہوؐ

ہو بھروسہ تمہی فقیروں کا
تاجداروں کا آسرا تم ہوؐ

دردمندوں سے پیار ہے تم کو
غم گساروں کا آسرا تم ہوؐ

تم سے یہ کائنات روشن ہے
چاند تاروں کا آسرا تم ہوؐ

ناز ہے جن پہ باغِ جنّت کو
اُن بہاروں کا آسرا تم ہوؐ

چشمِ ساغر کی آبرو تم سے
دِل فگاروں کا آسرا تم ہوؐ

○

اے کاش وہ دن کب آئیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے
دامن میں مُرادیں لائیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے

بیتابی اُلفت کی دُھن میں ہم دیدہ و دل کے بربط پر
توحید کے نغمے گائیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے

تھامیں گے سنہری جالی کو چُومیں گے معطّر پردوں کو
قسمت کو ذرا سُلجھائیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے

زَم زَم میں بھگو کر دامن کو سرمستیِ عرفاں پائیں گے
کوثر کے سبُو چھلکائیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے

ہنستی ہوئی کرنیں پھُوٹیں گی ظلمات کے قلعے ٹوٹیں گے
جلووں کے علَم لہرائیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے

ہم خاکِ درِ اقدس لے کر پلکوں پہ سجائیں گے ساغر
یوں دل کا چمن مہکائیں گے جب ہم بھی مدینہ جائیں گے

○

چمک جائے گا تشنگی کا نگینہ
مرا جام ہے اور شرابِ مدینہ

خوشا عشقِ آلِ محمدؐ میں مرنا
یہی ہے یہی زندگی کا قرینہ

نگاہِ محمدؐ کی تابانیوں سے
مہ و مہر کو آ گیا ہے پسینہ

جسے مل گئی خاکِ پائے محمدؐ
اُسے مِل گیا عِشرتوں کا خزینہ

مِرے گلستاں میں بہاروں کے خالق
بڑی دیر سے ہے خزاں کا مہینہ

مدد یا محمدؐ ! ڈراتی ہے مُجھ کو
یہ مکّار دُنیا' یہ رہزن حسینہ

حبیبِ خُدا ناخُدا جس کے ساغرؔ
بھنور میں بھی محفوظ ہے وُہ سفینہ



○

دل و نظر میں لیے عشقِ مصطفیٰؐ آؤ
خیال و فِکر کی سرحد سے ماورا آؤ

درِ رسولؐ سے آتی ہے مُجھ کو یہ آواز
یہاں ملے گی تمھیں دولتِ بقا آؤ

جلائے رہتی ہے عِصیاں کی آگ محشر میں
بس اب نہ دیر کرو شافع الوریٰ آؤ

برنگِ نغمۂ بُلبل سُنا کے نعتِ نبیؐ
ذرا چمن میں شگُوفوں کا مُنہ دُھلا آؤ

بَرس رہی ہیں چمن پر گھٹائیں وحشت کی
بھٹک رہا ہے بہاروں کا قافلہ آؤ

فرازِ عرش سے میرے حضورؐ کو ساغرؔ
ملا یہ حُکم کہ نعلین زیرِ پا آؤ

○

یثرب کی رہگذار ہو اور پائے آرزو
یارب کسی طرح تو یہ بَر آئے آرزو

اَرماں طوافِ کعبہ کے ایمان بن گئے
مُرجھا کے دُونے کِھل گئے گلہائے آرزو

غارِ حرا کے پاس کہیں جا کے بس رہوں
دل میں مچل رہی ہے یہ دُنیائے آرزو

ہَر شے ہے اختیارِ محمدؐ میں دوستو
دامن ہزار شوق سے پھیلائے آرزو

وہ حادثاتِ دہر سے محفوظ ہو گیا
جس کو درِ رسولؐ پہ لے جائے آرزو

وہ آ گئی ہے جشنِ وُرود نبیؐ کی صُبح
ساغر سرور و کیف کے چھلکائے آرزو



○

اس کی لوری کے لیے لفظ کہاں سے لاؤں
سارے عالم کے مقدر کو جگایا جس نے
جس کے جُھولے پہ ملائک نے ترانے چھیڑے
قصرِ کسریٰ کی منڈیروں کو ہلایا جس نے

جو کھلونوں سے نہیں شمس و قمر سے کھیلے
جن پہ سایہ پرِ جبریل کیا کرتے تھے
گود میں لے کے گزرتی تھی حلیمہ جس سمت
خار اس راہ کو خوشبو سی دیا کرتے تھے

جن کو الہام و نبوّت کا امیں ہونا تھا
جن سے قائم ہوئے بیدار نگاہی کے اُصول
دوشِ براق پہ پہنچے جو سرِ عرشِ بریں!
وہ خلاؤں کے پیمبرؐ، وہ فضاؤں کے رسُولؐ

○

گلوں کے اشارے دُعا کر رہے ہیں
چمن کے نظارے دُعا کر رہے ہیں

انہیں شب کی تاریکیوں کا اَلم ہے
چمک کر ستارے دُعا کر رہے ہیں

شکستہ سفینوں کو مضبوط کر دے
شگفتہ کنارے دُعا کر رہے ہیں

ہمیں صبرِ شبیرؓ سے آشنا کر
کہ اشکوں کے دھارے دُعا کر رہے ہیں

رہائی اسیروں کی ہو یا محمدؐ
فدائی تمہارے دُعا کر رہے ہیں



○

لیتا ہُوں نام خُلد کا طیبہ نگر کے بعد
کعبے کو چُومتا ہُوں ترے سنگِ در کے بعد

رقصاں ہے جس میں گیسوئے احمدؐ کی چاندنی
اِک سلسلہ ہے اور بھی شام و سحر کے بعد

اللہ رے دیارِ مہ و خور میں گھوم کر!
مَسند پہ لَوٹ آیا کوئی دوپہر کے بعد

دستُورِ مصطفیٰؐ پہ کرو ناز دوستو
منزل ہمارے ساتھ ہے اس راہبر کے بعد

ساغر وہ غلغلہ ہے نبیؐ کے وُرود کا
نکلا ہے آج چاند بھی خوف و خطر کے بعد

# غزلیں



میں التفاتِ یار کا قائل نہیں ہوں دوست
سونے کے نرم تار کا قائل نہیں ہوں دوست

مجھ کو خزاں کی ایک لٹی رات سے ہے پیار
مَیں رونقِ بہار کا قائل نہیں ہوں دوست

ہر شامِ وصل ہو نئی تمہیدِ آرزو
اتنا بھی انتظار کا قائل نہیں ہوں دوست

دو چار دن کی بات ہے یہ زندگی کی بات
دو چار دن کے پیار کا قائل نہیں ہوں دوست

جس کی جھلک سے ماند ہو اشکوں کی آبرو
اس موتیوں کے ہار کا قائل نہیں ہُوں دوست

لایا ہُوں بے حساب گناہوں کی ایک فرد
محبوب ہُوں شمار کا قائل نہیں ہُوں دوست

ساغر بقدرِ ظرف لُٹاتا ہُوں نقدِ ہوش
ساقی سے میں اُدھار کا قائل نہیں ہوں دوست



رُودادِ محبت کیا کہیے کُچھ یاد رہی کُچھ بھول گئے
دو دِن کی مُسرّت کیا کہیے کُچھ یاد رہی کُچھ بھول گئے

جب جام دیا تھا ساقی نے جب دور چلا تھا محفل میں
اِک ہوش کی ساعت کیا کہیے کُچھ یاد رہی کُچھ بھول گئے

اب وقت کے نازک ہونٹوں پر مجروح ترنّم رقصاں ہے
بیدادِ مشیّت کیا کہیے کُچھ یاد رہی کُچھ بھول گئے

احساس کے میخانے میں کہاں اب فکر ونظر کی قندیلیں
آلام کی شِدّت کیا کہیے کُچھ یاد رہی کُچھ بھول گئے

کچھ حال کے اندھے ساتھی تھے کچھ ماضی کے عیّار سجن
احباب کی چاہت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

کانٹوں سے بھرا ہے دامنِ دل شبنم سے سلگتی ہیں پلکیں
پھولوں کی سخاوت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

اَب اپنی حقیقت بھی ساغر بے ربط کہانی لگتی ہے
دُنیا کی حقیقت کیا کہیے کچھ یاد رہی کچھ بھول گئے

○

بھولی ہوئی صدا ہوں مجھے یاد کیجیے
تم سے کہیں ملا ہوں مجھے یاد کیجیے

منزل نہیں ہوں، خضر نہیں، راہزن نہیں
منزل کا راستہ ہوں مجھے یاد کیجیے

میری نگاہِ شوق سے ہر گُل ہے دیوتا
مَیں عِشق کا خدا ہوں مجھے یاد کیجیے

نغموں کی ابتدا تھی کبھی میرے نام سے
اشکوں کی انتہا ہوں مجھے یاد کیجیے

گُم صُم کھڑی ہیں دونوں جہاں کی حقیقتیں
میں اُن سے کہہ رہا ہوں مجھے یاد کیجیے

ساغر کِسی کے حُسنِ تغافل شعار کی
بہکی ہوئی ادا ہوں مجھے یاد کیجیے

○

محفلیں لُٹ گئیں جذبات نے دَم توڑ دیا
ساز خاموش ہیں نغمات نے دَم توڑ دیا

ہر مسرّت غمِ دیروز کا عُنوان بنی
وقت کی گود میں لمحات نے دم توڑ دیا

اَن گنِت محفلیں محرومِ چراغاں ہیں ابھی
کون کہتا ہے کہ ظلمات نے دَم توڑ دیا

آج پھر بجھ گئے جَل جَل کے امیدوں کے چراغ
آج پھر تاروں بھری رات نے دَم توڑ دیا



جن سے افسانۂ ہستی میں تسلسل تھا کبھی
اُن محبت کی روایات نے دم توڑ دیا

جھلملاتے ہوئے اشکوں کی لڑی ٹُوٹ گئی
جگمگاتی ہوئی برسات نے دَم توڑ دیا

ہائے آداب محبت کے تقاضے ساغؔر
لب ہلے اور شکایات نے دم توڑ دیا

○

پوچھا کسی نے حال کسی کا تو رو دیئے
پانی میں عکس چاند کا دیکھا تو رو دیئے

نغمہ کسی نے ساز پہ چھیڑا تو رو دیئے
غنچہ کسی نے شاخ سے توڑا تو رو دیئے

اُڑتا ہُوا غبار سرِ راہ دیکھ کر
انجام ہم نے عشق کا سوچا تو رو دیئے

بادل فضا میں آپ کی تصویر بن گئے
سایہ کوئی خیال سے گزرا تو رو دیئے

رنگِ شفق سے آگ شگوفوں میں لگ گئی
ساغؔر ہمارے ہاتھ سے چھلکا تو رو دیئے



○

نالہ حدودِ کوئے رسا سے گزر گیا
اب دردِ دل علاج و دوا سے گزر گیا

ان کا خیال بن گئیں سینے کی دھڑکنیں
نغمہ مقامِ صوت و صدا سے گزر گیا

اعجازِ بے خودی ہے کہ یہ حُسنِ بندگی
اِک بُت کی جستجو میں خُدا سے گزر گیا

انصاف سیم و زر کی تجلّی نے ڈس لیا
ہر جُرم احتیاجِ سزا سے گزر گیا

اُلجھی تھی عقل و ہوش میں ساغؔر رہ حیات
میں لے کے تیرا نام فنا سے گزر گیا

○

کب سماں تھا بہار سے پہلے
غم کہاں تھا بہار سے پہلے

ایک ننھا سا آرزو کا دیا
ضوفشاں تھا بہار سے پہلے

اب تماشا ہے چار تنکوں کا
آشیاں تھا بہار سے پہلے

اے مرے دل کے داغ یہ تو بتا
تو کہاں تھا بہار سے پہلے



پچھلی شب میں خزاں کا سناٹا
ہم زباں تھا بہار سے پہلے

چاندنی میں یہ آگ کا دریا
کب رواں تھا بہار سے پہلے

بن گیا ہے سحابِ موسمِ گل
جو دھواں تھا بہار سے پہلے

لُٹ گئی دل کی زندگی ساغر
دل جواں تھا بہار سے پہلے

○

چراغِ طُور جلاؤ ! بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اُٹھاؤ! بڑا اندھیرا ہے

ابھی تو صبح کے ماتھے کا رنگ کالا ہے
ابھی فریب نہ کھاؤ! بڑا اندھیرا ہے

وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انہیں کہیں سے بُلاؤ ! بڑا اندھیرا ہے

مجھے تمہاری نگاہوں پہ اعتماد نہیں
مرے قریب نہ آؤ ! بڑا اندھیرا ہے



فرازِ عرش سے ٹوٹا ہوا کوئی تارہ
کہیں سے ڈھونڈ کے لاؤ! بڑا اندھیرا ہے

بصیرتوں پہ اُجالوں کا خوف طاری ہے
مُجھے یقین دلاؤ ! بڑا اندھیرا ہے

جسے زبانِ خرد میں شراب کہتے ہیں
وہ روشنی سی پلاؤ ! بڑا اندھیرا ہے

بنامِ زہرہ جبینانِ خطّۂ فردوس
کسی کرن کو جگاؤ ! بڑا اندھیرا ہے

○

فضائے نیم شبی کہہ رہی ہے سب اچھا
ہماری بادہ کشی کہہ رہی ہے سب اچھا

نہ اعتبارِ محبت، نہ اختیارِ وفا
جنوں کی تیز روی کہہ رہی ہے سب اچھا

دیارِ ماہ میں تعمیر مے کدے ہوں گے
کہ دامنوں کی تہی کہہ رہی ہے سب اچھا

قفس میں یوں بھی تسلی بہار نے دی ہے
چٹک کے جیسے کلی کہہ رہی ہے سب اچھا



وہ آشنائے حقیقت نہیں تو کیا غم ہے
حدیثِ نامہ بری کہہ رہی ہے سب اچھا

تڑپ تڑپ کے شبِ ہجر کاٹنے والو
نئی سحر کی گھڑی کہہ رہی ہے سب اچھا

حیات و موت کی تفریق کیا کریں ساغرؔ
ہماری شانِ خودی کہہ رہی ہے سب اچھا

○

کوئی نالہ یہاں رَسا نہ ہُوا
اشک بھی حرفِ مُدّعا نہ ہُوا

تلخیِ درد ہی مقدّر تھی
جامِ عشرت ہمیں عطا نہ ہُوا

ماہتابی نگاہ والوں سے
دل کے داغوں کا سامنا نہ ہُوا

آپ رسمِ جفا کے قائل ہیں
میں اسیرِ غمِ وفا نہ ہُوا



وہ شہنشہ نہیں، بھکاری ہے
جو فقیروں کا آسرا نہ ہُوا

رہزنِ عقل و ہوش دیوانہ
عشق میں کوئی رہنما نہ ہُوا

ڈوبنے کا خیال تھا ساغرؔ
ہائے ساحل پہ ناخُدا نہ ہُوا

○

چاندنی شب ہے ستاروں کی رِدائیں سی لو
عید آئی ہے بہاروں کی رِدائیں سی لو

چشمِ ساقی سے کہو تشنہ اُمیدوں کے لیے
تُم بھی کچھ بادہ گُساروں کی رِدائیں سی لو

ہر برس سوزنِ تقدیر چلا کرتی ہے
اَب تو کُچھ سینہ فگاروں کی رِدائیں سی لو

لوگ کہتے ہیں تقدّس کے سبُو ٹوٹیں گے
جُھومتی رہگذاروں کی رِدائیں سی لو

قلزمِ خُلد سے ساغر کی صَدا آتی ہے
اپنے بے تاب کناروں کی رِدائیں سی لو



○

زخمِ دِل پرُ بہار دیکھا ہے
کیا عجب لالہ زار دیکھا ہے

ن کے دامن میں کچھ نہیں ہوتا
ن کے سینوں میں پیار دیکھا ہے

خاک اُڑتی ہے تیری گلیوں میں
زندگی کا وقار دیکھا ہے

تِشنگی ہے صدف کے ہونٹوں پر
گُل کا سِینہ فگار دیکھا ہے

ساقیا! اہتمامِ بادہ کر
وقت کو سوگوار دیکھا ہے

جذبۂ غم کی خیر ہو ساغر
حسرتوں پر نِکھار دیکھا ہے

○

ذرا کچھ اور قربت زیرِ داماں لڑکھڑاتے ہیں
مئے شعلہ فگن پی کر گلستاں لڑکھڑاتے ہیں

تخیّل سے گزرتے ہیں تو نغمے چونک اُٹھتے ہیں
تصوّر میں بہ انداز بہاراں لڑکھڑاتے ہیں

قرارِ دین و دُنیا آپ ں بانہوں میں لرزاں ہے
سہارے دیکھ کر زُلفِ پریشاں لڑکھڑاتے ہیں

تری آنکھوں کے افسانے بھی پیمانے ہیں مستی کے
بنامِ ہوش مدہوشی کے عُنواں لڑکھڑاتے ہیں



سُنو! اے عشق میں توقیرِ ہستی ڈھونڈنے والو
یہ وہ منزل ہے جس منزل پہ انساں لڑکھڑاتے ہیں

تمہارا نام لیتا ہُوں فضائیں رقص کرتی ہیں
تمہاری یاد آتی ہے تو ارماں لڑکھڑاتے ہیں

کہیں سے میکدے میں اس طرح کے آدمی لاؤ
کہ جن کی جنبشِ اَبرو سے ایماں لڑکھڑاتے ہیں

یقیناً حشر کی تقریب کے لمحات آ پہنچے
قدمِ ساغرؔ قریبِ کوئے جاناں لڑکھڑاتے ہیں

○

چاکِ دامن کو جو دیکھا تو مِلا عید کا چاند
اپنی تقدیر کہاں بھول گیا عید کا چاند

اُن کے اَبروئے خمیدہ کی طرح تیکھا ہے
اپنی آنکھوں میں بڑی دیر چُھپا عید کا چاند

جانے کیوں آپ کے رُخسار مہک اُٹھتے ہیں
جب کبھی کان میں چپکے سے کہا عید کا چاند

دُور ویران بسیرے میں دِیا ہو جیسے
غم کی دیوار سے دیکھا تو لگا عِید کا چاند



لے کے حالات کے صحراؤں میں آ جاتا ہے
آج بھی خُلد کی رنگین فضا عید کا چاند

تلخیاں بڑھ گئیں جب زیست کے پیمانے میں
گھول کر دَرد کے ماروں نے پیا عید کا چاند

چشم تو وُسعتِ افلاک میں کھوئی ساغر
دِل نے اِک اور جگہ ڈھونڈ لیا عید کا چاند

○

ہر شے ہے پُر ملال بڑی تیز دُھوپ ہے
ہر لب پہ ہے سوال بڑی تیز دُھوپ ہے

چکرا کے گر نہ جاؤں میں اِس تیز دھوپ میں
مُجھ کو ذرا سنبھال بڑی تیز دُھوپ ہے

دے حکم بادلوں کو خیابان نشیں ہُوں
جام و سُبو اُچھال بڑی تیز دُھوپ ہے

ممکن ہے ابرِ رحمت یزداں برس پڑے
زُلفوں کی چھاؤں ڈال بڑی تیز دُھوپ ہے

اب شہرِ آرزُو میں وہ رعنائیاں کہاں
ہیں گُل کدے نڈھال بڑی تیز دُھوپ ہے

سمجھی ہے جس کو سایۂ اُمیدِ عقلِ خام
ساغر کا ہے خیال بڑی تیز دُھوپ ہے



○

وقت کی عُمر کیا بڑی ہوگی
اِک ترے وصل کی گھڑی ہوگی

دستکیں دے رہی ہے پلکوں پر
کوئی برسات کی جھڑی ہوگی

کیا خبر تھی کہ نوکِ خنجر بھی
پھُول کی ایک پنکھڑی ہوگی

زُلف بل کھا رہی ہے ماتھے پر
چاندنی سے صبا لڑی ہوگی

اے عدم کے مسافرو! ہُشیار
راہ میں زندگی کھڑی ہوگی

کیوں گرہ گیسوؤں میں ڈالی ہے
جاں کسی پھول کی اَڑی ہوگی

التجا کا ملال کیا کیجئے
ان کے دَر پر کہیں پڑی ہوگی

موت کہتے ہیں جس کو اے ساغرؔ
زندگی کی کوئی کڑی ہوگی



○

دو جہانوں کی خبر رکھتے ہیں
بادہ خانوں کی خبر رکھتے ہیں

خارزاروں سے تعلق ہے ہمیں
گُلستانوں کی خبر رکھتے ہیں

ہم اُلٹ دیتے ہیں صدیوں کے نقاب
ہم زمانوں کی خبر رکھتے ہیں

اُن کی گلیوں کے مکینوں کی سُنو
لامکانوں کی خبر رکھتے ہیں

چند آوارہ بگولے اے دوست
کاروانوں کی خبر رکھتے ہیں

زخم کھانے کا سلیقہ ہو جنہیں
وہ نشانوں کی خبر رکھتے ہیں

کُچھ زمینوں کے ستارے ساغرؔ
آسمانوں کی خبر رکھتے ہیں



تاروں سے میرا جام بھرو! مَیں نشے میں ہُوں
اے ساکنانِ خُلد سنو! مَیں نشے میں ہُوں

کچھ پھُول کھل رہے ہیں سَرِ شاخِ میکدہ
تم ہی ذرا یہ پھُول چنو! مَیں نشے میں ہُوں

ٹھہرو! ابھی تو صُبح کا تارا ہے ضُوفشاں
دیکھو! مجھے فریب نہ دو! مَیں نشے میں ہُوں

نشہ تو مَوت ہے غمِ ہستی کی دُھوپ میں
بکھرا کے زُلف ساتھ چلو! مَیں نشے میں ہُوں

میلہ یونہی رہے یہ سرِ رہگذارِ زیست!
اب جام سامنے ہی رکھو! مَیں نشے میں ہُوں

پائل چھنک رہی ہے نگارِ خیال کی!
کچھ اہتمامِ رقص کرو! مَیں نشے میں ہُوں

مَیں ڈگمگا رہا ہُوں بیابانِ ہوش میں
میرے ابھی قریب رہو! مَیں نشے میں ہُوں

ہے صرف اِک تبسّمِ رنگیں بہت مُجھے
ساغر بدوش لالہ رُخو! مَیں نشے میں ہُوں



○

نگارِ معیشت لہُو رو رہی ہے
تصوّر کی عظمت لہُو رو رہی ہے

شگوفوں کی عزّت پہ چھاپے پڑے ہیں
چمن کی لطافت لہُو رو رہی ہے

پلا ساقیا کوئی جامِ غزالی
بھٹکتی بصیرت لہُو رو رہی ہے

فقیروں کے اخلاص کی بے زبانی
بروے جہالت لہُو رو رہی ہے

نہ سجدے نہ سجدوں کی تعبیر ساغر
جبینِ شہادت لہُو رو رہی ہے

○

ہم بڑی دُور سے آئے ہیں تمہاری خاطر
دل کے ارمان بھی لائے ہیں تمہاری خاطر

ایسا اِک سنگ جو تالیفِ رَہِ منزل ہو
منزلیں ڈھونڈ کے آئے ہیں تمہاری خاطر

کتنی ناکام اُمیدوں کے دیئے پچھلے پہر
ہم نے دریا میں بہائے ہیں تمہاری خاطر

عہدِ روشن کے سخنور نہ بھلائیں گے کبھی
ہم نے وہ سحر جگائے ہیں تمہاری خاطر

ہم نہ چاہیں گے کبھی تختِ جم و خسرو کے
ہم نے ارمان لٹائے ہیں تمہاری خاطر

ہم وہاں تھے کہ جہاں ساغرؔ و ساقی تھے مدام
دوستو! لوٹ کے آئے ہیں تمہاری خاطر



○

تہذیبِ بے نقاب کی آنکھیں نکال دو
اس قوم کے شباب کی آنکھیں نکال دو

جس نے سماعتوں کو دیا درسِ بے خودی
اس نغمۂ رُباب کی آنکھیں نکال دو

جس میں نہ ہو بصیرتِ انساں کی چاندنی
اس شیشۂ شراب کی آنکھیں نکال دو

اب منزلِ وفا کی ضرورت نہیں رہی
ہر عزمِ کامیاب کی آنکھیں نکال دو

ساغرؔ نکھر سکے نہ جہاں نکہتِ خودی
اُس قریۂ گلاب کی آنکھیں نکال دو

○

خوشا کہ باغِ بہاراں ہے زندگی اپنی
کِسی کے غم سے فروزاں ہے زندگی اپنی

بہت دنوں سے پریشاں ہیں آپ کے گیسُو
بہت دِنوں سے پریشاں ہے زندگی اپنی

چَھلک رہے ہیں کئی حَسرتوں کے پیمانے
لہُو سے دِل کے چراغاں ہے زندگی اپنی

غمِ حیات نے ڈالے ہیں ہاتھ بڑھ بڑھ کر
کہ بے وطن کا گریباں ہے زندگی اپنی

* ترا جہان ہے کیا ایک آئینہ خانہ
کہ جس میں ششدر و حیراں ہے زندگی اپنی

نہ جانے کونسا لمحہ چُرا کے لے جائے
متاعِ گردشِ دوراں ہے زندگی اپنی

نہ کوئی پھُول نہ ساغر نہ ماہتاب نہ تُو
بُجھا ہُوا سا شبستاں ہے زندگی اپنی

دنیائے حادثات ہے اک دردناک گیت
دنیائے حادثات سے گھبرا کے پی گیا

کانٹے تو خیر کانٹے ہیں اِن سے گلہ ہی کیا
پھُولوں کی واردات سے گھبرا کے پی گیا

ساغر وہ کہہ رہے تھے کہ پی لیجیے حضُور
ان کی گزارشات سے گھبرا کے پی گیا

۷

مَیں تلخیِ حیات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا

اتنی دقیق شے کوئی کیسے سمجھ سکے
یزداں کے واقعات سے گھبرا کے پی گیا

چھلکے ہُوئے تھے جام، پریشاں تھی زُلفِ یار
کچھ ایسے حادثات سے گھبرا کے پی گیا

مَیں آدمی ہُوں، کوئی فرشتہ نہیں حضور
مَیں آج اپنی ذات سے گھبرا کے پی گیا

○

دستور یہاں بھی اندھے ہیں فرمان یہاں بھی اند
اے دوست خدا کا نام نہ لے ایمان یہاں بھی اند

تقدیر کے کالے کمبل میں عظمت کے فسانے ل
مضمون یہاں بھی بہرے ہیں عنوان یہاں بھی اند

زردار توقع رکھتا ہے نادار کی گاڑھی مح
مزدور یہاں بھی دیوانے ذیشان یہاں بھی اند

کچھ لوگ بھروسہ کرتے ہیں تسبیح کے چلتے دا
بے چین یہاں یزداں کا جنوں انسان یہاں بھی اند

بے نام جفا کی راہوں پر کچھ خاک سی اُڑتی د
حیراں ہیں دلوں کے آئینے نادان یہاں بھی اند

بے رنگ شفق سی ڈھلتی ہے بے نور سویرے ہ
شاعر کا تصوّر بھوکا ہے سلطان یہاں بھی اند



○

شعلہ سامان کھلونوں سے بہل جاتا ہے
ہائے انسان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

حسنِ بُت ساز کھلونوں کا پُرانا خالق
عشقِ انجان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

ہم بہرحال حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں
دل ہے نادان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

جو ترے غم کی ندامت نہ اُٹھا سکتا ہو
وہ پشیمان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

موجِ گریہ سے لپٹ جاتے ہیں وعدے اِنکے
غم کا طوفان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

چشمِ ساغر کو نہیں خواہشِ جنت واعظ
تیرا ایمان کھلونوں سے بہل جاتا ہے

○

اِس میں شامل دشت وصحرا اور ویرانے کی بات
اہلِ محفل سے جُدا ہے تیرے دیوانے کی بات

محتسب ہم بے گناہوں کو نہ دے اِلزامِ مے
تِشنگی میں آ گئی ہونٹوں پہ مَے خانے کی بات

ہاں ابھی بھولی نہیں جورِ خزاں کی داستاں
احتیاطاً ہم نہیں کرتے بہار آنے کی بات

بن گئی ہے سُرخیِ حُسنِ بہارِ جاوداں
آ گئی زُلفِ معنبر کے بِکھر جانے کی بات

ہر نفس میں شُعلہ زن ہیں گرمیاں حالات کی
زندگی ہے اِن دنوں بے موت مر جانے کی بات

میکدہ بدلا ہُوا ساغر شکستہ حال ہیں
ہر حقیقت بن گئی ہے آج افسانے کی بات



○

شمع اس راہ پر جلی ہے ابھی
رنج کی شب کہاں ڈھلی ہے ابھی

گُل کِھلے ہیں تمہاری آہٹ سے
آنکھ مہتاب نے ملی ہے ابھی

دِل کہ جس کو فقیر کہتے ہیں
ایک اُجڑی ہوئی گلی ہے ابھی

کاروبارِ جنوں کی گُمنامی
شُہرتِ عقل سے بھلی ہے ابھی

چاند اُتریں گے رہگذاروں میں
رسمِ تابندگی چلی ہے ابھی

☆ اب طبیعت بحال ہے ساغر
کچھ ذرا من میں بے کلی ہے ابھی

○

اے تغیرِ زمانہ یہ عجیب دل لگی ہے
نہ وقارِ دوستی ہے نہ مجالِ دشمنی ہے

یہی ظلمتیں چھنیں جو ترے سُرخ آنچلوں میں
اِنہی ظلمتوں سے شاید مرے گھر میں روشنی ہے

مِرے ساتھ تم بھی چلنا مِرے ساتھ تم بھی آنا
ذرا غم کے راستوں میں بڑی تیز تیرگی ہے

یہ مشاہدہ نہیں ہے مرے درد کی صدا ہے
مِرے داغِ دِل لیے ہیں تری بزم جب سجی ہے



غمِ زندگی کہاں ہے ابھی وحشتوں سے فرصت
ترے ناز اُٹھا ہی لیں گے ابھی زندگی پڑی ہے

ترے خشک گیسوؤں میں مِری آرزو ہے پنہاں
ترے شوخ بازوؤں میں مِری داستاں رچی ہے

جِسے اپنا یار کہنا اسے چھوڑنا بھنور میں!
یہ حدیثِ دلبراں ہے یہ کمال دِلبری ہے

وہ گزُر گیا ہے ساغر کوئی قافلہ چمن سے
کہیں آگ جل رہی ہے کہیں آگ بجھ گئی ہے

(ز)

آ گئیں بازار میں بِکنے خُدا کی عظمتیں
جی اُٹھی ہیں خواہشیں اور مر گیا ہے آدمی

میں شعاعوں میں پگھل جاؤں مری فطرت نہیں
وہ ستارہ ہُوں کہ جس کو ڈھونڈتی ہے روشنی

(زر)

اور کتنی دُور ہیں ساغر عدم کی منزلیں
زندگی سے پوچھ لوں گا راستے میں گر مِلی

نہ مرتا تو کیا کرتا ۔



کوئی تِتلی ہے نہ جُگنو آہ شامِ بیکسی
آج دِل میں نسترن کی شاخ پھر چُبھنے لگی

تُو نے کیا توڑا گلستاں سے وفا کا ایک پھُول
ہر کلی ہے غیر مَحرم ہر شگوفہ اجنبی

بے ارادہ چل رہا ہُوں زندگی کی راہ پر
میرے مَسلک میں نہیں ہے کاروبارِ رہبری

جس میں کُچھ اِنسان کی توقیر کے احکام تھے
وہ شریعت معبدوں کے زیرِ سایہ سو گئی

○

آنکھ روشن ہے جیب خالی ہے
ظلمتوں میں کِرن سوالی ہے

حادثے لوریوں کا حاصِل ہیں
وقت کی آنکھ لگنے والی ہے

آئینے سے حضور ہی کی طرح
چشم کا واسطہ خیالی ہے

حُسن پتّھر کی ایک مُورت ہے
عِشق پھُولوں کی ایک ڈالی ہے

موت اِک انگبیں کا ساغر ہے
زندگی زہر کی پیالی ہے



○

دیارِ لالہ و سَرو و سَمن سے گزرے ہیں
قسم خُدا کی تری انجمن سے گزرے ہیں

یہ رنگ و بُو جو ترِے گیسُوؤں کی تلچھٹ ہیں
طلوعِ صُبح کی پہلی کرن سے گزرے ہیں

ہزاروں پھُول کھِلے اپنا قافلہ نہ رُکا
دِلوں پہ داغ لیے ہم چمن سے گزرے ہیں

نہ کوُئے یار کی چاہت نہ سوئے دار کی دُھن
کِسی کے اَبروئے دوراں شکن سے گزرے ہیں

ابھی نہ شمع جلاؤ ہمارے مدفن پر!
کہ زندگی کے اندھیرے وطن سے گزرے ہیں

ہمیں سے منزلِ فکر و نظر جواں ساغر
ہمیں جو وادئ شعر و سخن سے گزرے ہیں

بہارِ سرو و سمن فسُردہ گلوں کی نکہت تڑپ رہی ہے
قدم قدم پر الم کدے ہیں نگاہِ عشرت تڑپ رہی ہے

وقارِ یزداں نہ حُسنِ انساں ضمیرِ عالَم بدل گیا ہے
کہیں مشیّت پہ نیند طاری کہیں معیشت تڑپ رہی ہے

خیال کی چاندنی ہے پھیکی نگاہ کے زاویے ہراساں
ہے شور مبہم صفاتِ نغمہ نوائے فطرت تڑپ رہی ہے

شعور کی مشعلیں جلائیں اٹھو ستاروں کے ساز چھیڑیں
کرن کرن کی حسین مُورت بحالِ ظلمت تڑپ رہی ہے



حیاتِ منصور کی کہانی' زمانہ دار و رسن کا قِصّہ
لُٹا لُٹا سا ہے ذوقِ شبلی جنوں کی عظمت تڑپ رہی ہے

کبھی شبستاں کے رہنے والو! غریب کی جھونپڑی بھی دیکھو
خزاں کے پتوں کی جھانجھروں میں کسی کی عظمت تڑپ رہی ہے

ہے کوئی لاوا اُگلتا پھرتا کہ آدمی ہے نئے جہاں کا
نظر میں شعلے مچل رہے ہیں جبیں پہ وحشت تڑپ رہی ہے

مجھے یقیں ہے کہ اس جہاں میں ضرور فرعون جی اُٹھا ہے
قدم قدم پر خدائے برتر! تِری فضیلت تڑپ رہی ہے

تمام ماحول مضطرب ہے کہاں تلاشِ قرارِ ساغر
غزل کی لے سے فغانِ حسرت سخن کی دولت تڑپ رہی ہے

○

غم کے مُجرم خوشی کے مُجرم ہیں
لوگ اَب زندگی کے مُجرم ہیں

اور کوئی گُناہ یاد نہیں
سجدۂ بے خودی کے مُجرم ہیں

استغاثہ ہے راہ و منزل کا
راہزن رہبری کے مُجرم ہیں

مَے کدے میں یہ شور کیسا ہے
بادہ کش بندگی کے مُجرم ہیں



دشمنی آپ کی عنایت ہے
ہم فقط دوستی کے مُجرم ہیں

ہم فقیروں کی صُورتوں پہ نہ جا
خدمتِ آدمی کے مُجرم ہیں

کُچھ غزالانِ آگہی ساغؔر
نغمہ و شاعری کے مُجرم ہیں

(۴۷)

روشن ہمیں سے منزلِ ہستی کے مرحلے
ہم کارواں کے ساتھ بہت دُور تک چلے

اِس شامِ غم کے بعد ہے اِک ایسا راستہ
جس میں چراغ جلتے ہیں ظلمات کے لیے

اِک عہدِ نَو بھی اپنا مداوا نہ کر سکا
لُطف و عطا کی گود میں جور و ستم پلے

چھیڑیں کسی کے گیسُوئے برہم کی داستاں
رنج و اَلم کی رات کسی طرح تو ٹلے



جلتی رہیں دیارِ محبت کی مشعلیں
کیا جانے آفتابِ تمنّا کہاں ڈھلے

پھرتے ہیں لوگ چاک گریباں گلی گلی
مجرُوح زندگی کو لگائے ہوئے گلے

ساغرؔ سُلگ رہی ہے شگوفوں کی چاندنی
سیرِ چمن کو نکلے ہیں دو چار دل جلے

مآلِ نغمہ و ماتم فروخت ہوتا ہے!
خوشی کے ساتھ یہاں غم فروخت ہوتا ہے

وہ جس کو آج بھی کچھ لوگ حسن کہتے ہیں
بصد نگارشِ پیہم فروخت ہوتا ہے

فریب خوردہ تبسّم خریدنے کے لیے
وقارِ دیدۂ پرنم فروخت ہوتا ہے

بڑے حسین گھنیرے سیاہ پردوں میں
جمالِ عصمتِ مریم فروخت ہوتا ہے



بہارِ وادیٔ گنگ و جمن کے ساتھ یہاں
وقارِ کوثر و زمزم فروخت ہوتا ہے

وہ جسم مرمریں نظریں بھی جس کو چھو نہ سکیں
برائے رونقِ عالم فروخت ہوتا ہے

طلسمِ خانۂ صد رنگ و بو میں اے ساغر
فریبِ شعلہ و شبنم فروخت ہوتا ہے

O

اگرچہ ہم جا رہے ہیں محفل سے نالۂ دل فگار بن کر
مگر یقیں ہے کہ لوٹ آئیں گے نغمۂ نو بہار بن کر

یہ کیا قیامت ہے باغبانو! کہ جن کی خاطر بہار آئی
وہی شگوفے کھٹک رہے ہیں تمہاری آنکھوں میں خار بنکر

جہان والے ہمارے گیتوں سے جائزہ لیں گے سسکیوں کا
جہان میں پھیل جائیں گے ہم بشر بشر کی پکار بن کر

بہار کی بدنصیب راتیں بُلا رہی ہیں چلے بھی آؤ
کسی ستارے کا رُوپ لے کر کسی کے دل کا قرار بن کر



ىرورتِ راہ کے مطابق مُسافروں نے بھی سیکھ لی ہے
ہ رہزنی مُدّتوں رہی ہے جو رہبروں کا شعار بن کر

لاشِ منزل کے مرحلوں میں یہ حادثہ اِک عجیب دیکھا
ریب راہوں میں بیٹھ جاتا ہے صورت اعتبار بن کر

رورِ ہستی نے مار ڈالا وگرنہ ہم لوگ جی بن لیتے
سی کی آنکھوں کا نُور ہو کر کسی کے دل کا قرار بن کر

یارِ پیرِ مغاں میں آ کر یہ اِک حقیقت کُھلی ہے ساغر
را کی بستی کے رہنے والے تو لُوٹ لیتے ہیں یار بن کر

(۴۴)

راہِ پُر شور سے منزلِ دار سے
ہم اُلجھتے رہے گیسُوئے یار سے

میرا ہر نقشِ پا خضر کی داستاں
کوئی پُوچھے مِرے عزمِ بیدار سے

ہو سکے آپ عنواں کوئی دیجئے
داستاں بن گئی حرفِ اظہار سے

یُوں بھی ہوتا ہے شامِ وفا دوستو
ٹوٹ جاتا ہے دل انکے اقرار سے

چشمِ ساقی تِری عُمر ہو جاوداں
پی گئے زہر بھی تیرے اصرار سے

دوش ساغرؔ نے تکیہ بنایا انہیں
جتنے پتھر گرے ان کی دیوار سے



○

شرابِ ناب کے شیشے کا کاگ کھولا ہے
گرفت ساز سے ساقی نے راگ کھولا ہے

یہ کون بام پہ آیا ہے زُلف لہرا کر
یہ کس نے بام پہ آ کر بہاگ کھولا ہے

جہاں شعور کوئی مشورہ نہیں دیتا
وہاں حیات کے جوگی نے تیاگ کھولا ہے

نفس نفس میں ہے بے نام آرزو کی خلش
یہ زیست ہے کہ سپیرے نے ناگ کھولا ہے

جَلا کے اپنے نشیمن کی تیلیاں ساغرؔ
ہمیں نے گلشنِ ہستی کا بھاگ کھولا ہے

○

مرے چمن کو جہاں میں یہ سرفرازی ہے
ہر ایک پھُول نئی زندگی کا غازی ہے

بہار میں بھی سُلگتے رہے ہیں کاشانے
کہ یہ بھی ایک طرح کی ستم طرازی ہے

میں اس مقام پہ تجھ کو تلاش کرتا ہُوں
حقیقتوں کا تصرّف جہاں مجازی ہے

خُدا کے نام پہ پہلا سبُو اُٹھاتے ہیں
کہ مے کشوں میں یہی رسمِ پاکبازی ہے



تمہاری زلفِ پریشاں کو دام کہہ دینا
بڑا حَسین طریقِ فغاں نوازی ہے

رَوش رَوش پہ ہیں برق وشرر کے ہنگامے
مجھے یقیں ہے بہاروں کی کارسازی ہے

لِکھو! یہ عظمتِ ہستی کے باب میں ساغرؔ
کہ غزنوی کی جلالت غمِ ایازی ہے

مُسکراؤ ! بہار کے دِن ہیں
گل کھلاؤ ! بہار کے دِن ہیں

دُخترانِ چمن کے قدموں پر
سَر جُھکاؤ ! بہار کے دِن ہیں

مے نہیں ہے تو اشکِ غم ہی سہی
پی بھی جاؤ ! بہار کے دِن ہیں

تُم گئے، رونقِ بہار گئی
تُم نہ جاؤ ! بہار کے دِن ہیں

ہاں، کوئی وارداتِ ساغر و مے
کُچھ سُناؤ ! بہار کے دِن ہیں



دُکھ درد کی سوغات ہے دُنیا تری کیا ہے
اشکوں بھری برسات ہے دُنیا تری کیا ہے

کچھ لوگ یہاں نورِ سحر ڈھونڈ رہے ہیں !
تاریک سی اِک رات ہے دُنیا تری کیا ہے

تقدیر کے چہرے کی شکن دیکھ رہا ہُوں
آئینۂ حالات ہے دُنیا تری کیا ہے

پابندِ مشیّت ہے تنفّس بھی نظر بھی
اِک جذبۂ لمحات ہے دُنیا تری کیا ہے

مجروحِ تقدس ہے تقدس کی حقیقت
رُودادِ خرابات ہے دُنیا تری کیا ہے

ساغر میں چھلکتے ہیں سماوات کے اسرار
ساقی کی کرامات ہے دُنیا تری کیا ہے

○

ہم خاک نشیں خاک بسر شہر میں تیرے
کرلیں گے اسی طرح گزر شہر میں تیرے

جب تک تری گلیوں سے رہا ہم کو تعلق
ہم رقص رہے شمس و قمر شہر میں تیرے

کچھ لوگ تمنّاؤں کا خوں چہرے پہ مَل کر
بیٹھے ہیں سرِ راہگذر شہر میں تیرے

اُٹھتے رہے کلیوں کی جوانی کے جنازے
جلتے رہے پھولوں کے نگر شہر میں تیرے

چلتی ہے تقدس کے لبادوں میں حقارت
بجتے ہیں حوادث کے گجر شہر میں تیرے

ساغر کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں ابھی تک
کجلائے ہوئے شام و سَحر شہر میں تیرے

○

بزرگوں کی دُعائیں مِل رہی ہیں
محبت کو سزائیں مِل رہی ہیں

فروزاں ہیں تمہارے غم کے دیپک
بڑی روشن فضائیں مِل رہی ہیں

حسیں گیسو ہیں شانوں پر پریشاں
گلے اُن سے گھٹائیں مِل رہی ہیں

شعورِ بزم تک جن کو نہیں ہے
انہیں رنگیں ادائیں مل رہی ہیں

ترا آنچل ہوا میں اڑ رہا ہے
ترانوں کو نوائیں مِل رہی ہیں

چلو بادہ کشوں میں تیرہ بختو
ستاروں کو ضیائیں مِل رہی ہیں

وفاؤں کا صِلہ ساغؔر وطن میں
بہت ارزاں جفائیں مِل رہی ہیں



پھول چاہے تھے مگر ہاتھ میں آئے پتھر
ہم نے آغوشِ محبت میں سُلائے پتھر

وحشتِ دل کے تکلّف کی ضرورت کے لیے
آج اُس شوخ نے زُلفوں میں سجائے پتھر

اُن کے قدموں کے تلے چاند ستارے دیکھے
اپنی راہوں میں سُلگتے ہوئے پائے پتھر

مَیں تری یاد کو یُوں دل میں لیے پھرتا ہُوں
جیسے فرہاد نے سینے سے لگائے پتھر

فکرِ ساغؔر کے خریدار نہ بھولیں گے کبھی
میں نے اشکوں کے گُہر تھے جو بنائے پتھر

○

تڑپ کر سوزِ دل کو جلوہ ساماں کر لیا میں نے
بہت بے نُور تھی دُنیا' چراغاں کر لیا میں نے

خدا رکھے یہ طرزِ جور باقی' تم نہ شرماؤ
اب اپنی آرزوؤں کو پشیماں کر لیا میں نے

اُٹھا کر چوم لی ہیں چند مرجھائی ہوئی کلیاں
نہ تم آئے تو یوں جشنِ بہاراں کر لیا میں نے

کِسی کے اک تبسم پر اساسِ زندگی رکھ لی
شراروں کو نشیمن کا نگہباں کر لیا میں نے

ابھی تک بے کفن سی ہے مری وحشت کی عُریانی
یہ کِس اُمید پر گھر کو بیاباں کر لیا میں نے

کبھی ساغر بکف میں وجد میں آیا جو لہرا کر
تو اپنے ساتھ دُنیا کو بھی رقصاں کر لیا میں نے۔

○

زندگی رقص میں ہے جُھومتی ناگن کی طرح
دل کے اَرمان ہیں بجتی ہوئی جھانجھن کی طرح

زُلف رُخسار پہ بَل کھائی ہوئی کیا کہنا
اِک گھٹا چھائی ہوئی چیت میں ساون کی طرح

بحرِ اُمّید میں جب کوئی سہارا نہ مِلا
مَیں نے ہَر موج کو دیکھا ترے دامن کی طرح

جس طرف دیکھیے ٹوٹے ہوئے پیمانے ہیں
اَب تو نغمات بھی ہیں نالہ وشیون کی طرح

بارہا گردشِ تقدیر کا عالَم دیکھا
گیسوئے یار کی بے نام سی اُلجھن کی طرح

انقلاباتِ بہاراں میں قفس بھی ساغر
مَیں نے جلتے ہوئے دیکھا ہے نشیمن کی طرح

ہر تمنا کا چہرہ شفق فام تھا
وقت کے ہاتھ میں امن کا جام تھا

زندگی کی صُراحی میں تھے قہقہے
ہر ستارہ یہاں میرا ہم کام تھا

موسمِ گُل میں نغمات جلتے رہے
غنچہ غنچہ لیے دَرد کا جام تھا

میری آنکھیں سُرورِ تمنا لیے
تیری زُلفوں میں بھی کیفِ ابہام تھا

یہ بھی دیکھا گُلستاں کے آئین میں
صَید کا زخم صیّاد کا دام تھا

فکرِ ساغرؔ سے زندہ رہی زندگی
کِس قدر سرد احساسِ آلام تھا



ایسی تجلّیاں ہیں کہاں آفتاب میں
انوارِ خاص ہیں مرے جامِ شراب میں

یزداں نے مُسکرا کے بڑی دیر میں لکھا
اِک لفظ آرزُو مرے دِل کی کتاب میں

اب ذوقِ دید میں ہے شعُورِ حیاتِ نَو
جلووں کو احتیاط سے رکھو کتاب میں

محبُوب تیرے حُسن سے غنچوں کی آبرُو
خوشبو ترے بدن کی بَسی ہے گلاب میں

ہے باغباں کی ترچھی نظر اتنی بات پر
شعلوں کا ذکر آ گیا شبنم کے باب میں

ساغرؔ کِسی کی یاد میں جب اشکبار تھے
کتنے حسین دن تھے جہانِ خراب میں

خاک ہوئے پروانے جل کے
رہ گئی محفل رنگ بدل کے

تم کیا جانو ! ساحل والو !
ڈوب گئی کیوں ناؤ سنبھل کے

اُن کی ادائیں اُن کی شوخی
جیسے مُرصّع شعر غزل کے

بیت گیا پھر شام کا وعدہ
پھیل گئے مانوس دُھندلکے

صحنِ چمن میں ساغر کس نے
پھینک دیئے ہیں پھول مسل کے



ہم بے خود و سرشار سدا زندہ رہیں گے
حالات کے میخوار سدا زندہ رہیں گے

کچھ واقفِ آدابِ محبت نہیں مرتے
کچھ صاحبِ اسرار سدا زندہ رہیں گے

ہے میرا جنوں عظمتِ دوراں کی کہانی
عظمت کے طلب گار سدا زندہ رہیں گے

نسبت ہے جہاں میں غمِ انسان سے جن کو
وہ دیدۂ بیدار سدا زندہ رہیں گے

شعلوں میں مہکتے ہوئے غنچے بھی ہیں ساغر
ظلمات میں انوار سدا زندہ رہیں گے

○

گُل ہوئی شمعِ شبستاں چاند تارے سو گئے
موت کے پہلو میں شامِ غم کے مارے سو گئے

بے قراری میں بھی اکثر دردمندانِ جنوں
اے فریبِ آرزو تیرے سہارے سو گئے

کاروبارِ گرمیِ دَوراں کی ٹھنڈی راکھ میں
اے شگوفوں کے خداوندو ! شرارے سو گئے

دے رہی ہے آج بھی موجِ حوادث لوریاں
شورشِ طوفاں سے گھبرا کر کنارے سو گئے



جن سے نغمے تھے وفاؤں کے سراپا زندگی
وہ محبّت کی تلاوت کے اشارے سو گئے

کیا نہیں معلوم تُجھ کو اے مِرے مغموم دل
جن سے نظریں تھیں شگفتہ وہ نظارے سو گئے

جن کے دَم سے بزمِ ساغرؔ تھی حریفِ کہکشاں
اے شبِ ہجراں کہاں وہ ماہ مارے سو گئے

○

کِس کو بھاتی رہی رات بھر چاندنی
جی جلاتی رہی رات بھر چاندنی

ٹمٹماتے رہے حسرتوں کے دیئے
مُسکراتی رہی رات بھر چاندنی

اِک حسیں جسم کی طرح آغوش میں
کسمساتی رہی رات بھر چاندنی

اِشک پیتے رہے ہم کِسی اور کے
مے پلاتی رہی رات بھر چاندنی



ایک شبنم کے قطرے کی تقدیر کو
آزماتی رہی رات بھر چاندنی

صُبح دیکھا شگوفے تھے ٹوٹے ہُوئے
گُل کھلاتی رہی رات بھر چاندنی

اُن کی زُلفوں کے سائے بہکتے رہے
لڑکھڑاتی رہی رات بھر چاندنی

غم کے ساغر چھلکتے چھلکتے رہے
جگمگاتی رہی رات بھر چاندنی

○

شمع جلی پروانے جاگے
نقش اُبھرے افسانے جاگے

غم جاگا غم خانے جاگے
خوابوں کے ویرانے جاگے

سُن کے مِری رُودادِ محبت
اپنے اور بیگانے جاگے

بَستی بَستی شور مچا ہے
شاید پھر دیوانے جاگے

ساغؔر چھلکے کِرنیں پھُوٹیں!
وہ دیکھو! مَے خانے جاگے

ان بہاروں پہ گلُستاں پہ ہنسی آتی ہے
دل کے ہر داغِ فروزاں پہ ہنسی آتی ہے

آج پھر جام تہی اور گھٹا اُٹھی ہے
آج پھر رحمتِ یزداں پہ ہنسی آتی ہے

آپ کی زُلفِ پریشاں کے تصوّر میں ہمیں
بارہا گردشِ دوراں پہ ہنسی آتی ہے

میری بھیگی ہوئی پلکوں کی چھما چھم پہ نہ جا
تیرے ٹوٹے ہُوئے پیماں پہ ہنسی آتی ہے

جب کبھی بچھڑا ہوا دوست ملا ہے کوئی
مُجھ کو اخلاصِ عزیزاں پہ ہنسی آتی ہے

مُجھ کو اِک زہر کا چھلکا ہوا ساغؔر دے دو
مُجھ کو اس دور کے اِنساں پہ ہنسی آتی ہے

○

دھڑکنیں زندگی کے دامن میں
گیت ہیں بنسری کے دامن میں

کچھ خطائیں اگر اجازت ہو
ڈال دیں بندگی کے دامن میں

آج تم کو پکار کر کوئی
سو گیا چاندنی کے دامن میں

میرے اشعار کے قوافی ہیں
جتنے غم ہیں خوشی کے دامن میں

کچھ شگوفے بہار سے پہلے
گر گئے بے خودی کے دامن میں

یاد آئی بہار کی ساغر
پھول دیکھے کسی کے دامن میں



○

جذبۂ سوز طلب کو بیکراں کرتے چلو
کوُ بہ کوُ روشن چراغِ کارواں کرتے چلو

چشمِ ساقی پر تبسّم، میکدہ بہکا ہُوا
آؤ قسمت کو حریفِ کہکشاں کرتے چلو

چھین لاؤ آسماں سے مہرومہ کی عظمتیں
اور ٹوٹے جھونپڑوں کو ضوفشاں کرتے چلو

زندگی کو لوگ کہتے ہیں برائے بندگی
زندگی کٹ جائے گی ذکرِ بتاں کرتے چلو

جن سے زندہ ہو یقین و آگہی کی آبرو
عِشق کی راہوں میں کچھ ایسے گماں کرتے چلو

ہر نفس اے جینے والو! شغلِ پیمانہ رہے
بے خودی کو زندگی کا پاسباں کرتے چلو

چھیڑ کر ساغرؔ کسی کے گیسوؤں کی داستاں
ان شگوفوں کو ذرا شعلہ زباں کرتے چلو



○

س نہیں سکتے شگوفے تازگی سے رُوٹھ کر
م زمانے میں جیے ہیں زندگی سے رُوٹھ کر

لفِ جاناں سے ملی فکر و نظر کی چاندنی
ظلمتیں ہم نے نکھاریں روشنی سے رُوٹھ کر

خود منانے کے لیے آئے مُجھے دَیر و حَرم
سجدۂ الہام پایا بندگی سے رُوٹھ کر

غم سے رونق ہو گئی کاشانۂ تقدیر میں
مطمئن ہے دل کی دُنیا ہر خوشی سے رُوٹھ کر

ایک دِن ساقی یہی ٹوٹے ہوئے جام و سبُو
ئے کدے ترتیب دیں گے تشنگی سے رُوٹھ کر

سوچتے ہیں حسرتوں کے موڑ پر شام و سَحر
جائیں گے ساغرؔ کہاں ان کی گلی سے رُوٹھ کر

نِگاروں کے میلے ستاروں کے جُھرمٹ
بہت دل نشیں ہیں بہاروں کے جُھرمٹ

جواں ہیں اگر وَلولوں کے طلاطم
تو مَوجوں میں بھی ہیں کناروں کے جُھرمٹ

مرے چار تنکوں کی تقدیر دیکھو
چمن در چمن ہیں شراروں کے جھرمٹ

ترے گیسوؤں سے جنم پا رہے ہیں
گلستاں گلستاں نظاروں کے جھرمٹ



چھلکتا رہا ہے مرا جامِ زرّیں
مہکتے رہے ہیں چناروں کے جُھرمٹ

جہاں جل گئی شمعِ بزمِ تمنّا
وہیں مل گئے جاں نثاروں کے جُھرمٹ

تجھے یاد رکھیں گی ساغرؔ بہاریں
ترے شعر ہیں گلعذاروں کے جُھرمٹ

ہ ○

غم کی تصویر غزل کے اشعار
خوں کی تحریر غزل کے اشعار

داغ کہتے ہیں محبت کے جنہیں
ان کی تنویر غزل کے اشعار

ان سے تدبیر کی شمعیں روشن
سوزِ تقدیر غزل کے اشعار

ان میں پیکاں ہیں تری آنکھوں کے
دار و شمشیر غزل کے اشعار



گیسوئے وقت کو سلجھاتے ہیں
دردِ شبیر غزل کے اشعار

نالہ و شیون و فریاد کی لَے
رقصِ زنجیر غزل کے اشعار

اے غمِ یار تصوّر تیرا
تیری توقیر غزل کے اشعار

گل جو کھلتے ہیں خزاں میں ساغرؔ
اُن کی تفسیر غزل کے اشعار

جامِ حالات پُر بہار کرو
بزمِ ہستی کو تابدار کرو

آفتابِ شعور سے یارو
ذرّہ ذرّہ کرن شعار کرو

جن سے رُسوائیاں ہوں گلشن کی
ان شگوفوں کو سنگسار کرو

مَیں وفائیں تلاش کرتا ہُوں
تُم جفائیں ذرا شُمار کرو

ذوقِ منصور عام ہے ساغر
اہتمامِ صلیب و دار کرو



وقارِ انجمن ہم سے فروغِ انجمن ہم ہیں
سکوتِ شب سے پُوچھو صبح کی پہلی کرن ہم ہیں

ہمیں سے گُلستاں کی بجلیوں کو خاص نسبت ہے
بہارِ حادثہ ہیں رونقِ صحنِ چمن ہم ہیں

زمانے کو نہ دے الزام اے ناواقفِ منزل
زمانے کی نظر ہم ہیں زمانے کا چلن ہم ہیں

قریب و دُور کی باتیں نظر کا وہم ہیں پیارے
یقینِ رہنما ہم سے، فسونِ راہزن ہم ہیں

طلوعِ آفتابِ نَو ہمارے نام پر ہو گا
وہ جن کی خاک کے ذرّے ہیں خورشیدِ وطن ہم ہیں

بہر صُورت ہماری ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنوں کی سادگی ہم ہیں خِرد کا بانکپن ہم ہیں

ہمارے ہاتھ میں ہے ساغرِ فردا ادھر دیکھو!
اِدھر دیکھو حریف گردشِ چرخِ کہن ہم ہیں



خطا وارِ مروّت ہو نہ مرہُونِ کرم ہو جا
مسرّت سر جُھکائے گی پرستارِ الم ہو جا

اِنہی بے ربط خوابوں سے کوئی تعبیر نکلے گی
اِنہی اُلجھی ہوئی راہوں پہ میرا ہمقدم ہو جا

کِسی زردار سے جنسِ تبسّم مانگنے والے
کِسی بیکس کے لاشے پر شریکِ چشمِ نم ہو جا

کِسی دن ان اندھیروں میں چراغاں ہو ہی جائیگا
جلا کر داغِ دل کوئی ضیائے شامِ غم ہو جا

تجھے سلجھائے گا اب انقلابِ وقت کا شانہ
تقاضائے جنوں ہے گیسوئے دوراں کا خم ہو جا

تجسّس مرکزِ تقدیر کا قائل نہیں ہوتا
شعورِ بندگی ! بیگانۂ دیر و حرم ہو جا

یہ منزل اور گردِ کارواں ساغرؔ کہاں اپنے
سمٹ کر رہگذارِ وقت پر نقشِ قدم ہو جا

○

ضا مغموم ہے ساقی ! اُٹھا چھلکائیں پیمانہ
ندھیرا بڑھ چلا ہے لا ذرا قندیلِ میخانہ

بہ فیضِ زندگی گزرے ہیں ایسے مرحلوں سے ہم
کہ اپنے راستے میں اب نہ بستی ہے نہ ویرانہ

بس اسی بات پر دشمن بنی ہے گردشِ دوراں
خطا یہ ہے کہ چھیڑا کیوں تری زُلفوں کا افسانہ

چراغِ زندگی کو ایک جھونکے کی ضرورت ہے
تمہیں میری قسم ہے پھر ذرا دامن کو لہرانا

دلوں کو شوق سے روندو خرامِ ناز فرماؤ
اگر محشر ہوا تو پھر مجھے مجرم نہ ٹھہرانا

تری محفل میں ساغرؔ سا بھی کوئی اجنبی ہو گا
یہ ظالم ایک مدّت سے نہ اپنا ہے نہ بیگانہ

○

اس درجہ عِشق مُوجبِ رُسوائی بن گیا
میں آپ اپنے گھر کا تماشائی بن گیا

دَیر و حَرم کی راہ سے دِل بچ گیا مگر
تیری گلی کے موڑ پہ سودائی بن گیا

بزمِ وفا میں آپ سے اک پَل کا سامنا
یاد آ گیا تو عہدِ شناسائی بن گیا

بے ساختہ بکھر گئی جلووں کی کائنات
آئینہ ٹوٹ کر تری انگڑائی بن گیا

دیکھی جو رقص کرتی ہوئی موجِ زندگی
میرا خیال وقت کی شہنائی بن گیا



○

ایک وعدہ ہے کِسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ اِن تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں

جی میں آتا ہے اُلٹ دیں اُنکے چہرے سے نقاب
حوصلہ کرتے ہیں لیکن حوصلہ ہوتا نہیں

شمع جس کی آبرُو پر جان دے دے جھوم کر
وہ پتنگا جل تو جاتا ہے فنا ہوتا نہیں

اب تو مدّت سے رہ و رسمِ نظارہ بند ہے
اب تو اُن کا طُور پر بھی سامنا ہوتا نہیں

ہر شناور کو نہیں ملتا تلاطم سے خراج
ہر سفینے کا محافظ ناخدا ہوتا نہیں

ہر بھکاری پا نہیں سکتا مقامِ خواجگی
ہر کس و ناکس کو تیرا غم عطا ہوتا نہیں

ہائے یہ بیگانگی اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم کہ تو دل سے جُدا ہوتا نہیں

بارہا دیکھا ہے ساغرؔ رہگذارِ عشق میں
کارواں کے ساتھ اکثر رہنما ہوتا نہیں



۱۱۵

نہ شانِ قیصر و کسریٰ نہ سطوتِ کَے لا
غمِ بشر جسے کہیے کہیں سے وہ شَے لا

خمارِ لالہ و گلُ ہے نہ کیفِ رقصِ صَبا
بہار میں بھی رہا دامنِ چمن پھیلا

جسے تصوّرِ انساں کشید کرتا ہے
شعُور ڈوب کے نکلے نہ جس میں وہ مَے لا

وہ جس کے پاس ہو زخمِ حیات کا مَرہم
کہیں سے ڈھونڈ کوئی ایسا چارہ گر ہے لا

درِ سخاوتِ احساس بند ہے ساغرؔ
شکستِ کاسۂ مجنوں نہ اب سگِ لیلیٰ

○

اشکِ رواں نہیں ہیں ندامت کے پھول ہیں
روٹھے ہوئے بہار سے رحمت کے پھول ہیں

ہیں داغہائے دل کی شباہت لیے ہوئے
شاید یہی وہ باغِ محبت کے پھول ہیں

ڈسنے لگی ہیں شاخِ تمنا کی کونپلیں
رُسوائیوں کے خار معیشت کے پھول ہیں

رقصاں ہیں رنگ رنگ خیابانِ زندگی
پنہاں کہانیوں میں حقیقت کے پھول ہیں



دیوانگانِ کاکلِ ساقی سے مانگیئے
وحشت کی وادیوں میں فراست کے پھول ہیں

ایوانِ گلُ فشاں کے مکینو! ذرا سنو!
ان جھونپڑوں میں بھی کہیں فطرت کے پھول ہیں

کہتے ہوئے سُنے ہیں سُخن آشنائے وقت
ساغؔر کے شعر بزمِ لطافت کے پھول ہیں

چوٹ کھا کر خود شناس و خودنگر ہو جایئے
کیوں کسی کے عشق میں شوریدہ سَر ہو جایئے

اپنے دل کے داغ بھی لَو دے اٹھیں تو کم نہیں
اپنی منزل کے لیے خود راہبر ہو جایئے

چھوڑ دیجیے عظمتِ یزداں کی جھوٹی داستاں
آج انساں کی نظر میں معتبر ہو جایئے

آج بھی دو چار قطرے پی کے میرے جام کے
اہلِ دل، اہلِ وفا، اہلِ نظر ہو جایئے

صرف طوفاں میں یہی بچنے کی اک تدبیر ہے
جس طرف موجیں اُڑتی ہوں ادھر ہو جایئے

پھر ذرا چھلکایئے ساغر مئے دیدار کے
پھر نقابِ رُخ اُلٹ کر جلوہ گر ہو جایئے



بدنامیٔ حیات سے رنجور ہو گئے
اے یار! تیری بات سے رنجور ہو گئے

یزداں کے حادثات پہ ہم نے کیا یقیں
اپنی شکستِ ذات سے رنجور ہو گئے

مُرجھا کے رہ گئی غمِ دشام کی بہار
فصلِ تکلّفات سے رنجور ہو گئے

ہر رہگذر پہ چُور ہیں انسانیت کے پاؤں
شیشے کی کائنات سے رنجور ہو گئے

اپنوں نے زندگی میں ہراساں کیا مجھے
غیروں کے اِلتفات سے رنجور ہو گئے

ساغر سکون دے گئی دل کی کسک ہمیں
اکثر خوشی کی بات سے رنجور ہو گئے

○

قید تصوّرات میں مُدّت گزُر گئی!
ساقی غمِ حیات میں مُدّت گزُر گئی

مجھ کو شکستِ جام کے نغموں سے واسطہ
میخانۂ ثبات میں مُدت گزُر گئی

کُچھ بھی نہیں ہے گیسُوئے خمدار کے سوا
تفسیرِ کائنات میں مدّت گزُر گئی

پابندِ حرف دارورسن داستانِ عشق
عرضِ گزارشات میں مدّت گزُر گئی

رُوٹھے تو اَور بَن گئے تصویرِ التفات
کیفِ نوازشات میں مُدّت گزُر گئی

ہر حادثہ حیات کی رُوداد بن گیا
دُنیائے حادثات میں مُدّت گزُر گئی

ساغرؔ کہاں مجال کہ آنکھیں ملائیں ہم
رُسوائیاں ہیں گھات میں مُدّت گزُر گئی

○

جام پی کر جو دُور تک دیکھا
چشمِ ہستی نے طُور تک دیکھا

یہ شَرف آئینے کو حاصل ہے
آئینے نے حضور تک دیکھا

چشمِ دیوانہ وار جِس کو مِلی
اس نے حدِّ شعور تک دیکھا

اُن کی زُلفوں کا رنگ پایا ہے
جب بھی تخلیقِ نُور تک دیکھا

عجز کی روشنی میں اے ساغؔر
ہم نے بامِ غرور تک دیکھا



○

نہ کشتیوں نہ کناروں کا احترام کرو
فقط بھنور کے اشاروں کا احترام کرو

یہیں سے گزرے گا اِک روز کاروانِ بہار
فسُردہ راہ گذاروں کا احترام کرو

جو ہو سکے تو بدل دو نوشتۂ تقدیر
نہ ہو سکے تو ستاروں کا احترام کرو

خزاں کی گود میں بھی پھُول مُسکرا اُٹھیں
کچھ اس طرح سے بہاروں کا احترام کرو

نشاط و کیف کی دُنیا میں جُھومنے والو
کبھی تو اُجڑے دیاروں کا احترام کرو

یہی ہے ذوقِ عبادت کی انتہا ساغؔر
غمِ حیات کے ماروں کا احترام کرو

موج در موج کناروں کو سزا ملتی ہے
کوئی ڈوبے تو سہاروں کو سزا ملتی ہے

میکدے سے جو نکلتا ہے کوئی بے نشہ
چشمِ ساقی کے اشاروں کو سزا ملتی ہے

آپ کی زُلفِ پریشاں کا تصوّر توبہ
نکہت و نُور کے دھاروں کو سزا ملتی ہے

جب وہ دانتوں میں دباتے ہیں گلابی آنچل
کتنے پُرکیف نظاروں کو سزا ملتی ہے

میرے پیمانے میں ڈھل جاتا ہے پھولوں کا شباب
میرے ساغر میں بہاروں کو سزا ملتی ہے

ایک مُدّت ہوئی اِک زمانہ ہُوا
خاکِ گلشن میں جب آشیانہ ہُوا

زُلفِ برہم سے جب سے شناسائی ہے
زندگی کا چلن مُجرمانہ ہُوا

پھول جلتے رہے چاند ہنستا رہا
آرزو کا مکمّل فسانہ ہُوا

داغِ دل کے شہنشہ کے سکّے نہیں
دل کا مفلس کدہ جب خزانہ ہُوا

راہبر نے پلٹ کر نہ دیکھا کبھی
راہرو راستے کا نشانہ ہوا

ہم جہاں بھی گئے ذوقِ سجدہ لیے
ہر جگہ آپ کا آستانہ ہُوا

دیکھ مضراب سے خُوں ٹپکنے لگا
ساز کا تار مرگ ترانہ ہُوا

پہلے ہوتی تھی خوئے وفا پروری
اب تو ساغرؔ یہ قِصّہ پُرانا ہُوا



○

بن گئے اشک جفا کی تصویر
کھنچ گئی آج صدا کی تصویر

اِحتیاطِ دلِ عاشق لازم
ٹوٹ جاتی ہے وفا کی تصویر

فصلِ گُل اور چٹکتے غُنچے
تیری مخمور ادا کی تصویر

پھر بجا نالہ و شیون کا سرُور
رقص کرتی ہے صَبا کی تصویر

جگمگاتی ہے غمِ ہستی کے
رنگ و روغن سے قضا کی تصویر

بول اُٹھی تری لَے میں ساغرؔ
آسمانوں پہ دُعا کی تصویر

○

موجزن وقت کے دریا میں نوائے درویش
ہدیۂ چاکِ صدف دستِ دُعائے درویش

جب کبھی راستہ حالات کا دھندلایا ہے
کام آئی ہے زمانے میں ضیائے درویش

ہر شگوفے کو چٹکنے کی اجازت دیجیے
نغمۂ صبحِ بہاراں ہے صلائے درویش

آج اسرارِ شہنشاہی ہیں دیوانوں میں
آج بیدار ہے ذہنوں میں وفائے درویش

ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ساغر کے لیے
غیرتِ قوم و وطن اور ردائے درویش



○

شام خزاں کی گُم صُم بولی — جیون لمحے زہر کی گولی
میرے آنسو اور ستارے — کھیل رہے ہیں آنکھ مچولی
دو پھولوں کی خاطر ترسیں — آج بہاروں کے ہم جولی
چاند کا سایہ چھت سے اُترا — ہمسائے نے کھڑکی کھولی
توڑ دیا دَم دیوانوں نے — عُمر جنوں کی پوری ہولی
پھول بھی ہے وہ کانٹا بھی ہے — مَن میلا ہے صُورت بھولی
لمبی ہے تقدیر کی ڈوری — کِس نے ماپی کس نے تولی
پنی دنیا رَین بسیرا — اپنی دولت خالی جھولی
سم کا زنداں روزنِ روزن — جب بھی چاہا سوئی چبھولی
یرے شعروں کا مجموعہ — مَست خراموں کی اِک ٹولی
خاکِ درِ میخانہ ہم نے — ساقی پیمانوں میں گھولی
پتّے بھی اشجار کے نغمے — سائے ہیں دیوار کی بولی

چھینٹ غمِ عصیاں کی ساغر
ہم نے شرابِ ناب میں دھو لی

لا اِک خُمِ شراب کہ موسم خراب ہے
کر کوئی انقلاب کہ موسم خراب ہے

زُلفوں کو بے خودی کی رِدا میں لپیٹ دے
ساقی پئے شباب کہ موسم خراب ہے

جام و سبُو کے ہوش ٹھکانے نہیں رہے
مُطرب اُٹھا رُباب کہ موسم خراب ہے

غنچوں کو اعتبارِ طُلوعِ چمن نہیں
رُخ سے اُلٹ نقاب کہ موسم خراب ہے

اے جاں! کوئی تبسّمِ رنگیں کی واردات
پھیکا ہے ماہتاب کہ موسم خراب ہے



میرے تصوّرات ہیں تحریریں عشق کی
زندانیِ خیال ہیں زنجیریں عشق کی

تعبیرِ حُسن ہے دلِ مجروح کا لہُو
چھینٹے پڑے تو بن گئیں تصویریں عشق کی

داغِ فراق، زخمِ وفا، اشکِ خُوں فِشاں
روزِ ازل سے ہیں یہی جاگیریں عشق کی

شامِ خزاں کو صُبحِ بہاراں بنا دیا
ترتیبِ زیست بن گئیں تعزیریں عشق کی

ساغرؔ جہانِ شوق میں دیکھی ہے جاوداں
اہلِ نظر کے سامنے تفسیریں عشق کی

نہ جانے محتسب کیوں میکدے کا نام دیتے ہیں
جہاں کچھ آدمی کرتے ہیں اپنے درد کا چارا

ترے گیسو خیالوں کی گرفتِ ناز سے گزرے
کہ جیسے ایک جوگی بن میں لہراتا ہے دو تارا

پلٹ آئے ہیں شاید انقلابِ دید کے لمحے
نظر کی وسعتوں میں ڈوبتا جاتا ہے نظارا

فقط اِک ہاتھ میں ٹوٹا ہُوا ساغر اُٹھانے سے
لرز اُٹھا ہے اے یزداں! ترِی عظمت کا مینارا



ہر مرحلۂ شوق سے لہرا کے گزر جا
آثارِ تلاطم ہوں تو بل کھا کے گزر جا

بہکی ہوئی مخمور گھٹاؤں کی صدا سُن
فردوس کی تدبیر کو بہلا کے گزر جا

مایوس ہیں احساس سے اُلجھی ہوئی راہیں
پائل دِل مجبور کی چھنکا کے گزر جا

یزدان و اہرمن کی حکایات کے بدلے
انساں کی روایات کو دُہرا کے گزر جا

کہتی ہیں تجھے میکدۂ وقت کی راہیں
بگڑی ہوئی تقدیر کو سُلجھا کے گزر جا

بُجھتی ہی نہیں تشنگیِ دل کسی صُورت
اے ابرِ کرم آگ ہی برسا کے گزر جا

کانٹے جو لگیں ہاتھ تو کچھ غم نہیں ساغر
کلیوں کو ہر اِک گام پہ بکھرا کے گزر جا



دثے کیا کیا تمہاری بے رُخی سے ہو گئے
ری دُنیا کے لیے ہم اجنبی سے ہو گئے

ہ تمہارے گیسوؤں کی برہمی نے کر دیئے
ہ اندھیرے میرے گھر میں روشنی سے ہو گئے

ہ پرور! کُھل گیا ہے آستانوں کا بھرم
نا کچھ لوگ رازِ بندگی سے ہو گئے

گردشِ دوراں، زمانے کی نظر آنکھوں کی نیند
کتنے دُشمن ایک رسمِ دوستی سے ہو گئے

زندگی آگاہ تھی صیّاد کی تدبیر سے
ہم اسیرِ دامِ گُل اپنی خوشی سے ہو گئے

اب کہاں اے دوستِ چشمِ منتظر کی آبرو
اب تو ان کے عہد و پیماں ہر کسی سے ہو گئے

ہر قدم ساغرؔ نظر آنے لگی ہیں منزلیں
مرحلے کچھ طے مری آوارگی سے ہو گئے



چاندنی کو رسُول کہتا ہُوں
بات کو با اصول کہتا ہُوں

جگمگاتے ہوئے ستاروں کو
تیرے پاؤں کی دُھول کہتا ہُوں

جو چمن کی حیات کو ڈس لے
اُس کلی کو ببُول کہتا ہُوں

اتفاقاً تمہارے ملنے کو
زندگی کا حصُول کہتا ہُوں

آپ کی سانولی سی مُورت کو
ذوقِ یزداں کی بھُول کہتا ہُوں

جب میّسر ہوں ساغرؔ و مینا
برق پاروں کو پھُول کہتا ہُوں

قریب دار کٹا دن تو رات کانٹوں پر
گزار دی ہے کِسی نے حیات کانٹوں پر

تغیرات سے افزوں ہے ارتقاء کا مزاج
مِلا ہے گُل کو چمن میں ثبات کانٹوں پر

بَلا سے دامنِ ہستی جو تار تار ہُوا
مِرے جُنوں نے لگائی ہے گھات کانٹوں پر

چٹک رہے ہیں شگوفے تمہاری یادوں کے
سَجی ہے شبنم و گُل کی برات کانٹوں پر

یہ اور بات ہے پھولوں کا ذکر تھا ساغرؔ
کہ اِتفاق سے پہنچی ہے بات کانٹوں پر



○

اے چمن والو! متاعِ رنگ و بُو جلنے لگی
ہر روش پر نکہتوں کی آبرُو جلنے لگی

پھر لغاتِ زندگی کو دو کوئی حرفِ جُنوں
اے خِرد مندو ! ادائے گفتگو جلنے لگی

قصرِ آدابِ محبت میں چراغاں ہو گیا
ایک شمعِ نو ورائے ما و تو جلنے لگی

ہر طرف لُٹنے لگی ہیں جگمگاتی عصمتیں
عظمتِ انسانیت پھر چارسُو جلنے لگی

دے کوئی چھینٹا شراب ارغواں کا ساقیا
پھر گھٹا اُٹھی تمنّائے سبُو جلنے لگی

اِک ستارہ ٹوٹ کر معبودِ ظلمت بن گیا
اِک تجلّی آئینے کے رُوبرُو جلنے لگی

دیکھنا ساغؔر خرامِ یار کی نیرنگیاں
آج پھُولوں میں بھی پروانوں کی خُو جلنے لگی



بگڑا جو نقشِ زیست بنا شاہکار زیست
ایسے مِٹے کہ بن گئے پروردگارِ زیست

کُچھ اِس طرح سے زیست کو اپناؤ دوستو
تاحشر مَوت کو بھی رہے انتظارِ زیست

دے حادثاتِ نَو کی صُراحی سے ایک جام
ساقی ذرا اُترنے لگا ہے خمارِ زیست

حلّاج کو قبول تھی سُولی رقیب کی
منصورِ زیست کے لیے کافی ہے دارِ زیست

اٹکی ہوئی ہے نوکِ مژہ پر لہُو کی بُوند
کانٹوں میں پل رہی ہے عروسِ بہارِ زیست

لائیں غزل کے شہر سے تشبیہہ کے چراغ
اے ہم سُخن ! چلو کہ سجائیں دیارِ زیست

ساغر کی زندگی پہ کوئی تبصرہ نہ کر
اِک شمع جل رہی ہے سرِ رہگذارِ زیست



○

سُوکھ گئے پَت جَھڑ میں پات
ٹُوٹ گئے پھُولوں کے ہات

کِتنا نازک ہے یہ دَور
اشک گراں غم کی بہتات

دشتِ اَلم کی ویرانی میں
کاٹی ہے برکھا کی رات

ہم دیوانے ، ہم آوارہ
چل نہ سکو گے اپنے سات

ساغر مَے خانے میں ہو گا
چھوڑ بھی دو پگلے کی بات

○

ارے ناخداؤ! ارے ناخداؤ!
مُجھے بھی بچاؤ! مُجھے بھی بچاؤ!

چراغاں ہی ہے ظلمتوں کا مداوا
نظر کو نِکھارو! دِلوں کو جلاؤ!

ہمیں فرصتِ آہ تک بھی نہیں ہے
انہیں یہ تکلّف کے نغمے سناؤ

بِکی کس کی عصمت لُٹی کِس کی دُنیا
تمہیں کیا تم اپنی دُکانیں سجاؤ

تصوّر کی پاکیزگی چاہتے ہو
غمِ یار کی چاندنی میں نہاؤ

سرِ میکدہ لوگ بیٹھے ہیں ساغر
لَبوں پر مئے تِشنگی کا الاؤ



○

چاندنی اور موتیے کے پھُول
کتنے سادہ ہیں زندگی کے اُصول

اپنی زُلفیں سمیٹ لیجئے گا
مِل رہا ہے کہانیوں کو طُول

اے غمِ یار تیری خیر رہے
اے غمِ یار ہم نہیں ہیں ملُول

وجہِ تخلیقِ کائنات ہے عشق
واقعے حادثوں سے ہیں منقُول

اِن کے چِتون پہ دیکھ کر شِکنیں
کُفر بھی بندگی میں ہے مشغُول

سُن کے ذکرِ بہار اے ساغر
چُبھ گئی دل میں غم کی گہری سُول

مری آنکھ نے سُنی ہے کئی زمزموں کی آہٹ
نہیں بربطوں سے کمتر مئے ناب کے پیالے

یہ تجلیوں کی محفل ہے اسی کے زیرِ سایہ
یہ جہان کیف اس کا جسے وہ نظر سنبھالے

یہ حیات گل کہانی ہے فنا کا ایک ساغر
تو لبوں سے مُسکرا کر اِسی جام کو لگا لے



مرے سوزِ دل کے جلوے یہ مکاں مکاں اُجالے
مری آہ پُر اثر نے کئی آفتاب ڈھالے

مجھے گردشِ فلک سے نہیں احتجاج کوئی !
کہ متاعِ جان و دل ہے تری زُلف کے حوالے

یہ سماں بھی ہم نے دیکھا سرِ خاک رُل رہے ہیں
گل و انگبیں کے مالک مہ و کہکشاں کے پالے

ابھی رنگ آنسوؤں میں ہے تری عقیدتوں کا
ابھی دل میں بس رہے ہیں تری یاد کے شوالے

○

کتنے غم کتنے دُکھ اُبھر آئے
تیری یادوں نے پھُول مہکائے

ہم نے اپنوں کی بات تک نہ سُنی
ہم نے غیروں کے درد اپنائے

اے نگارو ! تمہاری بستی میں
راستہ بھُول کر چلے آئے

کوئی ان بے وفا نگاہوں کو
دھڑکنوں کی زبان سمجھائے

ڈس گئے جُھومتی بہاروں کو
تیرے آنچل کے ریشمی سائے

آہ ! ساغر نہ ہو سکا معلُوم
کیوں بہاروں میں پھُول مُرجھائے



○

آبِ انگور سے وضُو کر لو
دوستو! بیعت سبُو کر لو

گُر بتا دیں گے بادشاہی کے
ہم فقیروں سے گفتگو کر لو

اُن سے ملنا کوئی محال نہیں
اُن سے ملنے کی آرزُو کر لو

دو قدم رائیگاں ہوئے تو کیا
دو قدم اور جستجو کر لو

جشن زارِ حیات میں ساغر
چار دن تم بھی ہاؤ ہُو کر لو

○

پریشاں عکسِ ہستی، آئینہ بے نور دیکھا ہے
مِری نظروں نے افسُردہ چراغِ طُور دیکھا ہے

سُرور و کیف کا معیار اپنی ذات ہے ساقی
شرابِ درد سے ہر جام کو معمور دیکھا ہے

بڑی مدّت سے آشفتہ اُمیدیں یاد کرتی ہیں
کہیں اس بزم میں یارو! دلِ مجبور دیکھا ہے

یہ دستُورِ وفا صدیوں سے رائج ہے زمانے میں
صدائے قُرب دی جن کو انہی کو دُور دیکھا ہے

مژہ پر ٹُوٹے سپنوں کی براتیں جگمگاتی ہیں!
شراروں کو چمن میں ان دِنوں مسُرور دیکھا ہے

کہیں لختِ جگر کھانے سے ساغر بھوک مِٹتی ہے
لہُو کے گھونٹ پی کر بھی کوئی مخمور دیکھا ہے



○

لوگ لیتے ہیں یُونہی شمع اور پَروانے کا نام
کُچھ نہیں ہے اِس جہاں میں غم کے افسانے کا نام

مِٹ گئی بربادیٔ دل کی شکایت دوستو
اب گلستاں رکھ لیا ہے میں نے ویرانے کا نام

شوخیٔ قدِ نگاراں میری صہبا کا وجُود
مستیٔ چشمِ غزالاں میرے پیمانے کا نام

اس کو کہتے ہیں غمِ تقدیر کی نیلام گاہ
ہیں زبانیں تشنگی میں اور میخانے کا نام

دیکھیے! ساغر کی آشفتہ نگاہی کا کمال
مستیاں چھلکا رہا ہے ایک دیوانے کا نام

○

پھولوں کو آگ لگ گئی نغمات جل گئے
سورج کی تیز دُھوپ میں لمحات جل گئے

ساقی کی چشم لطف ہے تعمیر میکدہ
گیسُو اُڑے چراغِ خرابات جل گئے

اب دامنِ حیات میں کچھ بھی نہیں رہا
فردا کی سرد آگ میں حالات جل گئے

کلیاں چٹک رہی ہیں کہ شاخوں پہ آبلے
غُنچوں کی نکہتوں سے مِرے ہات جل گئے

اَب کے برس بہارِ بصیرت کو ڈس گئی
فکر و نظر کے جُھومتے باغات جل گئے

ساغر لُٹے لُٹے ہیں ستارے بُجھے بُجھے
شاید مِرے نصیب کے دن رات جل گئے



○

تہذیبِ جنوں کار پہ تنقید کا حق ہے
گرتی ہوئی دیوار پہ تنقید کا حق ہے

ہاں! مَیں نے لہُو اپنا گلستاں کو دیا ہے
مُجھ کو گُل و گُلزار پہ تنقید کا حق ہے

میں یاد دلاتا ہُوں شکایت نہیں کرتا
بُھولے ہوئے اِقرار پہ تنقید کا حق ہے

مجروح جو کر دے دِل انساں کی حقیقت
اس شوخیٔ گفتار پہ تنقید کا حق ہے

○

دُکھ درد کے طوفان ہیں آلام کے جنگل
یادیں ہیں تری جیسے کہ آسام کے جنگل

تدبیر ہے تقدیر کی بے نام پرستش !
اذہان میں آباد ہیں الہام کے جنگل

پلکوں کے تلے معنی و مفہوم کی جھیلیں
زُلفوں کے گھنے سائے ہیں ابہام کے جنگل

ساقی تری مخمور نگاہوں کے سہارے
گلزار کیے ہیں غمِ ایّام کے جنگل!



○

نہ خوفِ خُدا ہے نہ خوفِ خُدائی
بَشر دے رہا ہے بَشر کی دُہائی

نہ جانے کہاں کھو گئی ہے مروّت
بڑی دُور تک تو مرے ساتھ آئی

نگاہوں کے انداز بدلے گئے ہیں
وہی ہے مگر رسمِ جلوہ نمائی

کِسی کے مہکتے ہوئے گیسوؤں میں
شگوفوں نے سیکھی ہے شُعلہ نوائی

فضائے مقدّر بدل دی ہے ساغر
نظر جب کبھی زندگی سے ملائی

○

کُچھ علاجِ وحشتِ اہلِ نظر بھی چاہیے
ایک پتھر بر دُکانِ شیشہ گر بھی چاہیے

نامکمّل ہے سقوطِ کارواں کی داستاں
اِس میں تھوڑا سا بیانِ راہبر بھی چاہیے

جن کے دامن میں دُعاؤں کے سِوا کُچھ نہیں
ان غریبوں کی دُعاؤں میں اثر بھی چاہیے

گلستانِ آرزُو کے انقلابی دَور میں
ایک جشنِ موسمِ برق و شرر بھی چاہیے



جو لگا دیتے ہیں قصرِ زندگی میں آگ سی
ایسے شعلوں کے لیے اِک اشکِ تر بھی چاہیے

پھر انہی انگڑائیوں میں حشر کے سامان ہوں
بزمِ جاناں میں کوئی آشفتہ سر بھی چاہیے

ہوں نہ ساغؔر جس میں سنگ و میل کی پابندیاں
منزلوں تک ایک ایسی رہگذر بھی چاہیے

○

شعلہ رُخ مست نظر یاد آیا!
رشکِ خورشید و قمر یاد آیا

اشک آنکھوں سے چھلکتے ہی رہے
جب کبھی وُہ گُلِ تر یاد آیا!

آج کھولی جو بیاضِ غالب
معدنِ لعل و گہر یاد آیا

برق چمکی تو نشیمن دیکھا
شاخ ٹوٹی تو ثمر یاد آیا

چاند کی سمت جو دیکھا ساغرؔ
اپنے ارماں کا سفر یاد آیا

○

ہر تمنّا کا لہو کرتے چلیں
احترامِ رنگ وبو کرتے چلیں

بے خودی کی نذر کر دیں زندگی
بیعتِ جام و سبو کرتے چلیں

جس زباں میں بیکسوں کی بات ہو
اس زباں میں گفتگو کرتے چلیں

یہ گھٹاؤں سے برستی مستیاں
گر اجازت ہو وضو کرتے چلیں

انقلاب دیدہ و دل کے لیے
آئینوں کو رُو برُو کرتے چلیں

کھو کے کچھ پانا یہاں دُشوار ہے
احتیاطاً جستجو کرتے چلیں

فکرِ ساغر کی اداؤں میں بیاں
داستانِ آرزو کرتے چلیں



○

مرے چمن میں بہاروں کے پھول مہکیں گے
مجھے یقیں ہے شراروں کے پھول مہکیں گے

کبھی تو دیدۂ نرگس میں روشنی ہوگی
کبھی تو اُجڑے دیاروں کے پھول مہکیں گے

تمہاری زلفِ پریشاں کی آبرو کے لیے
کئی ادا سے چناروں کے پھول مہکیں گے

چمک ہی جائے گی شبنم لہُو کی بوندوں سے
روش روش پہ ستاروں کے پھول مہکیں گے

ہزاروں موجِ تمنا صدف اُچھالے گی
تلاطموں سے کناروں کے پھول مہکیں گے

یہ کہہ رہی ہیں فضائیں بہار کی ساغر
جگر فروز اشاروں کے پھول مہکیں گے

تری نظر کے اشاروں سے کھیل سکتا ہوں
جگر فروز شراروں سے کھیل سکتا ہوں

تمہارے دامنِ رنگیں کا آسرا لے کر
چمن کے مست نظاروں سے کھیل سکتا ہوں

کسی کے عہدِ محبت کی یاد باقی ہے
بڑے حسین سہاروں سے کھیل سکتا ہوں

مقامِ ہوش و خرد انتقامِ وحشت ہے
جنوں کی راہ گزاروں سے کھیل سکتا ہوں

مجھے خزاں کے بگولے سلام کرتے ہیں
حیا فروش چناروں سے کھیل سکتا ہوں

شراب و شعر کے دریا میں ڈوب کر ساغر
سرور و کیف کے دھاروں سے کھیل سکتا ہوں



نظر بیقرار سی ہے نفس نفس پرُسرار سا ہے
جانتا ہوں کہ تم نہ آؤ گے پھر بھی کچھ انتظار سا ہے

ے عزیزو! میرے رفیقو! چلو کوئی داستان چھیڑو
زمانہ کی بات چھوڑو یہ غم تو اب سازگار سا ہے

فسردہ ہے رنگِ محفل وہی ترا ایک عام جلوہ
نگاہوں پہ بارسا تھا مری نگاہوں میں بارسا ہے

ی تو آؤ! کبھی تو بیٹھو! کبھی تو دیکھو! کبھی تو پوچھو
ہاری بستی میں ہم فقیروں کا حال کیوں سوگوار سا ہے

و کہ جشنِ بہار دیکھیں چلو کہ ظرفِ بہار جانچیں
ن چمن روشنی ہوئی ہے کلی کلی پر نکھار سا ہے

ہ زلف بردوش کون آیا یہ کس کی آہٹ سے گل کھلے ہیں
ہک رہی ہے فضائے ہستی تمام عالم بہار سا ہے

○

اے دیوارو کچھ تو بولو
جھوٹی چپ کے بندھن کھولو

شاید کوئی قلزم نکلے
صحراؤں کی جیب ٹٹولو

اُن کا وعدہ صبح کا تارا
یہ چنگاری من میں چبھو لو

اِس شب کی مجروح سحر تک
جلتے رہنا دل کے پھپھولو



رات کا پنچھی کہتا جائے
دن چڑھ آیا آنکھیں کھولو

راوی کی لہروں پر ناچو
اے پنجاب کے ٹپو ڈھولو

پھول کھلیں برسات میں جیسے
آج ذرا ہنس ہنس کر رو لو

ساقی پانی مے بن جائے
ساغر کے اشعار کو گھولو

○

اِنسان بدنصیب، مقدّر کی بات ہے
گُل کو ملے صلیب، مقدّر کی بات ہے

اہلِ جنوں کے ہاتھ میں دونوں جہاں کی باگ
خطرے میں ہے غریب، مقدّر کی بات ہے

زخمِ بہار بن گئی پھولوں کی آرزو
سارا چمن رقیب، مقدّر کی بات ہے

اہلِ چمن کو لکنتِ ماحول کھا گئی
ہر بے نوا خطیب، مقدّر کی بات ہے



زخموں کو چھیڑتے ہیں بنامِ علاجِ نَو
اِس دَور کے طبیب، مقدّر کی بات ہے

تسکینِ جستجو ہے نہ اندازۂ قیام
منزل کے ہیں قریب، مقدّر کی بات ہے

صحرا کی دُھوپ بن گئی ساغر کی تشنگی
دشمن بنے حبیب، مقدّر کی بات ہے

○

ے ذوقِ طغیاں میں ڈھل کے دیکھ کبھی
مَوج بن کے اچھل کے دیکھ کبھی

تو صدف ہے تو اِس سمندر میں
سنگریزے نِگل کے دیکھ کبھی

آتشِ آرزو عجب شے ہے
اس کی ٹھنڈک میں جل کے دیکھ کبھی

خشک صحرا بھی رشکِ گُلشن ہے
اپنے گھر سے نکل کے دیکھ کبھی



اے گرفتارِ رہبر و منزل
بے ارادہ بھی چلِ کے دیکھ کبھی

زندگی کی مٹھاس کے ہمراہ
زہرِ غم کو نِگل کے دیکھ کبھی

ہے بہاروں کی جُستجو ساغر
خارزاروں میں چل کے دیکھ کبھی

○

سرِ مقتل ہمیں نغمات کی تعلیم دیتے ہیں
یہاں اہلِ نظر ظلمات کی تعلیم دیتے ہیں

یہاں کلیاں مہکتی ہیں مگر خوشبو نہیں ہوتی
شگوفے برملا آفات کی تعلیم دیتے ہیں

یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں زرتابی قباؤں میں
سحر کا نام لے کر رات کی تعلیم دیتے ہیں

یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں عرفانِ بہاراں سے
وہ پھولوں کو نئے جذبات کی تعلیم دیتے ہیں



رہِ تقدیر اس دن کے لیے کیا دھوپ اور سائے
ترے گیسو جنہیں حالات کی تعلیم دیتے ہیں

ہمیں زیبا نہیں دیتا رہِ دشوار کا منظر
کہ صحراؤں میں بھی برسات کی تعلیم دیتے ہیں

• جہاں ساغر شرابِ زندگی اِک زہرِ قاتل ہے
یقیں والے وہاں خدشات کی تعلیم دیتے ہیں

جفا و جور کی دنیا سنوار دی ہم نے
زہے نصیب کہ ہنس کر گزار دی ہم نے

کلی کلی ہمیں حیرانیوں سے تکتی ہے
کہ پت جھڑوں میں صدائے بہار دی ہم نے

خیالِ یار کی رنگینیوں میں گم ہو کر
جمالِ یار کی عظمت نکھار دی ہم نے

اسے نہ جیت سکے گا غمِ زمانہ اَب
جو کائنات ترِے در پہ ہار دی ہم نے

وہ زندگی کہ جسے زندگی سے نسبت تھی
تمہاری زُلفِ پریشاں پہ وار دی ہم نے

کچھ ایسا سَرد ہوا جذبۂ وفا ساغر
خود اپنی ذات کو ہنس ہنس کے ہار دی ہم نے

○

سایۂ زُلف بُتاں میں بیٹھو
اِس پرستش کے جہاں میں بیٹھو

مہ وَشو! صبحِ یقیں ہونے تک
منزلِ شامِ گماں میں بیٹھو

لوگ کہتے ہیں شفاعت کے لیے
دو گھڑی بادہ کشاں میں بیٹھو

اُن کے پہلو میں بھی دل ہوتے ہیں
بزم آشفتہ سراں میں بیٹھو

زیست کے راز چھلکتے ہیں یہاں
آؤ! ساغر کے جہاں میں بیٹھو

○

اُٹھتے رہے کلیوں کی جوانی کے جنازے
جلتے رہے پھولوں کے نگر شہر میں تیرے

پلتی ہے تقدس کے لبادے میں حقارت
بجتے ہیں حوادث کے گجر شہر میں تیرے

ساغر کی نگاہوں میں کھٹکتے ہیں ابھی تک
کجلائے ہوئے شام و سحر شہر میں تیرے



○

مزاجِ شمع میں کچھ ذوقِ پروانہ بھی ہوتا تھا
کِسی کا نام اس محفل میں دیوانہ بھی ہوتا تھا

پریشاں حسرتوں کی بے نقابی دیکھنے والو
اشاروں پر ہمارے رقصِ پروانہ بھی ہوتا تھا

جہاں اُلفت نبھانے کے حسیں اقرار ہوتے تھے
قریبِ شہر یارو! ایک ویرانہ بھی ہوتا تھا

یقینِ زندگی کو معتبر جس نے کیا ساغر
حقیقت کے صحیفوں میں وہ افسانہ بھی ہوتا تھا

○

چمن سے بَرق وشَرر سے خطاب کرتا ہُوں
شعوُر و فکر و نظر سے خطاب کرتا ہُوں

قدم قدم پہ کِھلاتا ہُوں گُل معانی کے
جہانِ شمس و قمر سے خطاب کرتا ہُوں

جبیں پہ سطوتِ الہام کے تقاضے ہیں
زبانِ قلب و جگر سے خطاب کرتا ہُوں

مَیں ایک مردِ قلندرؒ میں ایک دیوانہ
طلوعِ نُورِ سحر سے خطاب کرتا ہُوں



مزاجِ شبنم و لالہ سے بات ہے میری
نگاہِ شعلہ نگر سے خطاب کرتا ہُوں

نہ کارواں سے شکایت نہ رہنما سے کلام
غُبارِ راہ گزر سے خطاب کرتا ہُوں

ہر ایک گام پہ ہیں پتھروں کی دیواریں
سکُوتِ اہلِ ہُنر سے خطاب کرتا ہُوں

بنامِ عظمتِ یزداں کبھی کبھی ساغر
وقارِ حسنِ بشر سے خطاب کرتا ہُوں

○

حاضر شراب و جام ہیں تُو جاگ تو سہی
الطافِ خاص و عام ہیں تُو جاگ تو سہی

ہیں اختیارِ شوق میں تاروں کی منزلیں
بہکے ہوئے مقام ہیں تُو جاگ تو سہی

کانٹے بھی ایک چیز ہیں تُو دیکھ تو سہی
گُل بھی شرارہ جام ہیں تُو جاگ تو سہی

اب شب کی ظلمتوں میں کہیں آس پاس ہی
صُبحوں کے اہتمام ہیں تُو جاگ تو سہی

افسردگی گناہ کی تمثیل ہے ندیم
بے چینیاں حرام ہیں تُو جاگ تو سہی

ساغرؔ! قریب تر ہے دیارِ مہ و نجوم
بس اور چند گام ہیں تُو جاگ تو سہی



ہر شگوفہ سناں کی صُورت ہے
موسمِ گُل خزاں کی صُورت ہے

لمحہ لمحہ ہے بوجھ سینے میں
وقت سنگِ گراں کی صُورت ہے

ہے ورائے قرار آنسو بھی!
درد اِک مہرباں کی صُورت ہے

راستے راہنمائے دیدہ و دل
زندگی کارواں کی صُورت ہے

ذوقِ تدبیر ہو تو ہر ذرّہ
جلوۂ کہکشاں کی صُورت ہے

زندگانی ہے گوش بر آواز!
آدمی داستاں کی صُورت ہے

ہائے دستورِ محفلِ ہستی
خامشی بھی زباں کی صُورت ہے

میرے اشعار سُن کے فرمایا
ایک یہ بھی فغاں کی صُورت ہے

اپنا ویرانۂ الم ساغرؔ!
اِن دِنوں گلستاں کی صُورت ہے



کیا سماں تھا بہار سے پہلے
غم کہاں تھا بہار سے پہلے

ایک ننّھا سا آرزُو کا دیا
ضُوفشاں تھا بہار سے پہلے

اب تماشا ہے چار تِنکوں کا
آشیاں تھا بہار سے پہلے

اے مرے دل کے دردؔ تو ہی بتا
تُو کہاں تھا بہار سے پہلے

پچھلی شب میں خزاں کا سناٹا
ہم زباں تھا بہار سے پہلے

چاندنی میں یہ آگ کا دریا
کب رواں تھا بہار سے پہلے

بن گیا ہے سحابِ موسمِ گل
جو دھواں تھا بہار سے پہلے

لُٹ گئی دِل کی زندگی ساغرؔ
دل جواں تھا بہار سے پہلے



○

عظمتِ زندگی کو بیچ دیا
ہم نے اپنی خوشی کو بیچ دیا

چشمِ ساقی کے اک اشارے پر
عُمر کی تِشنگی کو بیچ دیا

رِند جام و سبُو پہ ہنستے ہیں
شیخ نے بندگی کو بیچ دیا

رہگزاروں پہ لُٹ گئی رادھا
شیام نے بانسری کو بیچ دیا

جگمگاتے ہیں وحشتوں کے دیار
عقل نے آدمی کو بیچ دیا

لب و رُخسار کے عوض ہم نے
سطوتِ خسروی کو بیچ دیا

عِشق بہرُوپیا ہے اے ساغرؔ
رُوپ نے سادگی کو بیچ دیا



(۴)

منزلِ غم کی فضاؤں سے لپٹ کر رو لُوں
تیرے دامن کی ہواؤں سے لپٹ کر رولُوں

جامِ مَے پینے سے پہلے مرا جی چاہتا ہے
بکھری زُلفوں کی گھٹاؤں سے لپٹ کر رولُوں

زرد غُنچوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالُوں
سُرخ پھُولوں کی قباؤں سے لپٹ کر رولُوں

آنے والے ترے رَستے میں بچھاؤں آنکھیں
جانے والے ترے پاؤں سے لپٹ کر رولُوں

اپنے مجبور تقدّس کے سہارے ساغرؔ
دَیر و کعبہ کے خداؤں سے لپٹ کر رو لُوں

○

تری دُنیا میں یارب زیست کے سامان جلتے ہیں
فریبِ زندگی کی آگ میں اِنسان جلتے ہیں

دِلوں میں عظمتِ توحید کے دیپک فسُردہ ہیں
جبینوں پر ریا و کبر کے فرمان جلتے ہیں

ہَوس کی باریابی ہے خردمندوں کی محفل میں
رُو پہلی ٹکلیوں کی اوٹ میں ایمان جلتے ہیں

حوادث رقص فرما ہیں' قیامت مُسکراتی ہے
سُنا ہے ناخُدا کے نام سے طوفان جلتے ہیں



شگوفے جھولتے ہیں اس چمن میں بھوک کے جھولے
بہاروں میں نشیمن تو بہرِ عُنوان جلتے ہیں !

کہیں پازیب کی چھن چھن میں مجبوری تڑپتی ہے
رَیا دم توڑ دیتی ہے سُنہرے دان جلتے ہیں !

مناؤ جشنِ مَے نوشی' بکھیرو زُلفِ مَے خانہ !
عبادت سے تو ساغر دہر کے شیطان جلتے ہیں

○

اللہ رے اُس چشمِ عنایات کا جادُو
تا عُمر رہا حُسنِ مُلاقات کا جادُو

معلوم نہ تھا سحر گزیدانِ وفا کو
صُبحوں کے پسِ پردہ ہے ظُلمات کا جادُو

آنکھوں میں رواں کوثر و تسنیم کے منتر
زُلفوں میں نہاں شامِ خرابات کا جادُو

آتا ہو جسے رسمِ محبت کا وظیفہ
چلتا نہیں اِس پر غمِ حالات کا جادُو



بربط کا جگر چیر گئی تار کی فریاد
مُطرب پہ اثر کر گیا نغمات کا جادُو

لہرائے وہ گیسُو کہ اُٹھیں غم کی گھٹائیں !
اشکوں کی جھڑی بن گئی برسات کا جادُو

ہم ساحرِ اقلیمِ سخن بن گئے ساغر
اس ڈھب سے جگایا ہے خیالات کا جادُو

کُچھ لوگ بچھا کر کانٹوں کو گلشن کی توقع رکھتے ہیں
شُعلوں کو ہوائیں دے دے کر ساون کی توقع رکھتے ہیں

ماحول کے تپتے صحرا سے، حالات کی اُجڑی شاخوں سے
ہم اہلِ جنوں پھولوں سے بھرے دامن کی توقع رکھتے ہیں

جب سارا اثاثہ لُٹ جائے تسکینِ سفر ہو جاتی ہے
ہم راہنماؤں کے بدلے رہزن کی توقع رکھتے ہیں

سنگین چٹانوں سے دِل کے دُکھنے کی شکایت کرتے ہیں
ظُلمت کے نگر میں نُورانی آنگن کی توقع رکھتے ہیں

وُہ گیسوئے جاناں ہُوں ساغر یا گردشِ دوراں کے سائے
اے وائے مقدّر دونوں سے اُلجھن کی توقع رکھتے ہیں



○

چشمِ ساقی کی عنایات پہ پابندی ہے
اِن دنوں وقت پہ حالات پہ پابندی ہے

بکھری بکھری ہوئی زُلفوں کے فسانے چھیڑو
میکشو! عہدِ خرابات پہ پابندی ہے

دِل سلن ہو کے چلے آئے تری محفل سے
تیری محفل میں تو ہر بات پہ پابندی ہے

دَرد اُٹھا ہے لہو بن کے اُچھلنے کے لیے
آج کہتے ہیں کہ جذبات پہ پابندی ہے

ہر تمنّا ہے کوئی ڈوبتا لمحہ جیسے
ساز مغموم ہیں، نغمات پہ پابندی ہے

کہکشاں بامِ ثریّا کے تلے سوئی ہے
چاند بے رنگ سا ہے، رات پہ پابندی ہے

آگ سینوں میں لگی، ساغر و مینا چھلکے
کوئی کہتا تھا کہ برسات پہ پابندی ہے



○

ستم جاگتے ہیں کرم سو رہے ہیں
محبت کے جاہ و حشم سو رہے ہیں

مرے نکتہ سازو! سخن کے خداؤ!
پکارو کہ لوح و قلم سو رہے ہیں

وہاں چاندنی کے قدم ڈولتے ہیں
جہاں تیرے نقشِ قدم سو رہے ہیں

ہر اک ذہن میں ہے خدائی کا دعویٰ
ہر اک آستیں میں صنم سو رہے ہیں

یہاں خوابِ راحت فریب یقیں ہے
نہ تم سو رہے ہو نہ ہم سو رہے ہیں

مری اُجڑی اُجڑی سی آنکھوں میں ساغر
زمانے کے رنج و الم سو رہے ہیں

○

تغیرات سے دُنیا سِنگار کرتی ہے
یہ چاند توڑ کے جُھومر میں رنگ بَھرتی ہے

اُسی کلی سے ہے تاریخِ گلستاں روشن
جو باغباں کے لہُو سے ذرا نکھرتی ہے

جسے نہ زہرِ جنوں کی ذراسی چاٹ لگے
وہ بے شعُور محبت ضرور مرتی ہے

دِلوں کے بُجھتے چراغوں کو نور دیتی ہے
وہ تیرگی جو تری زُلف سے بِکھرتی ہے

ہماری جنت تخیل سے گزر جائے
بہار بن کے قیامت اگر گزرتی ہے

طلُوعِ مہر ترے آستاں پہ ہوتا ہے
کرِن کرِن تری دہلیز پر اُترتی ہے



میں کہ آشفتہ و رُسوا سرِ بازار ہُوا
چاکِ داماں کا تماشا سرِ بازار ہُوا

تیری عصمت کی تجارت پسِ دیوار سہی
میری تقدیر کا سَودا سرِ بازار ہُوا

پھر کوئی اہلِ جنوں دار پہ چڑھ جائے گا
پھر ترے حُسن کا چرچا سرِ بازار ہُوا

ہم نے رکھا ہے اسے دِل کے مکاں میں برسوں
جو کبھی ہم سے شناسا سرِ بازار ہُوا

مرحلے دِید کے دُشوار تھے لیکن ساغرؔ
منزلِ طُور کا جلوہ سرِ بازار ہُوا

○

جور و ستم کی رسمیں تقریب بن گئی ہیں
اب بزمِ زندگی میں اہلِ وفا نہیں ہیں

ہر ساز کی نوا پر پہرے لگے ہوئے ہیں
اس وادیِٔ محن میں نغمے روا نہیں ہیں

فاقوں سے زرد چہرے ناکامیوں کے لاشے
یہ لوگ فیض یابِ لطفِ خدا نہیں ہیں



○

اے حُسنِ لالہ فام ! ذرا آنکھ تو مِلا
خالی پڑے ہیں جام ! ذرا آنکھ تو مِلا

کہتے ہیں آنکھ آنکھ سے ملنا ہے بندگی
دنیا کے چھوڑ کام ! ذرا آنکھ تو ملا

کیا وہ نہ آج آئیں گے تاروں کے ساتھ ساتھ
تنہائیوں کی شام ! ذرا آنکھ تو مِلا

یہ جام، یہ سبُو، یہ تصوّر کی چاندنی
ساقی کہاں مدام ! ذرا آنکھ تو مِلا

ساقی مُجھے بھی چاہیے اِک جامِ آرزو
کِتنے لگیں گے دام ! ذرا آنکھ تو مِلا

پامال ہو نہ جائے ستاروں کی آبرو
اے میرے خوش خرام ! ذرا آنکھ تو مِلا

ہیں راہِ کہکشاں میں ازل سے کھڑے ہوئے
ساغر ترے غلام ! ذرا آنکھ تو مِلا



○

جب تصوّر میں جام آتے ہیں
آفتابی مقام آتے ہیں

یُوں چٹکتے ہیں شاخ پر غنچے
جیسے اُن کے سلام آتے ہیں

دِل ی نادانیوں پہ غور نہ کر
کھوٹے سِکّے بھی کام آتے ہیں

چند لمحات نوجوانی میں
واجب الاحترام آتے ہیں

منزلِ عشق میں خرد والے
صرف دو چار گام آتے ہیں

داستانِ حیات میں ساغر
بے وفاؤں کے نام آتے ہیں

○

وقت کے رنگیں گُلدستے کو یاد آئے گا ٹھنڈا ہاتھ
جب بکھریں گے وہ گیسُو تو مَر جائے گا ٹھنڈا ہاتھ

بھیگی پلکیں، سوچ کی اُلجھن، دامن تھامے پُوچھ رہی ہیں
کب تک تارِ گریباں یارو سُلجھائے گا ٹھنڈا ہاتھ

سازِ تغزّل چھیڑنے والو! اے افسانے لکھنے والو
آج لکیروں کی تفسیریں دُہرائے گا ٹھنڈا ہاتھ

گرم لہُو کی بُوندیں بوئیں، تنہائی کی مٹّی ڈالیں
پت جھڑ آئے ان شاخوں پر اُگ آئے گا ٹھنڈا ہاتھ

پتھر پتھر جوت جلے گی، ساحل ساحل شُعلے ہوں گے
بھیگی بھیگی سَرد ہَوا میں شرمائے گا ٹھنڈا ہاتھ

باغ کے مالی! میرے غُنچے غیروں نے پامال کیے
پھر بھی تیری پھلواری کو مہکائے گا ٹھنڈا ہاتھ



غُنچے فضائے نَو میں گرفتار ہو گئے
کُچھ پھُول اپنے رنگ سے بیزار ہو گئے

کِتنے تصوّرات ہواؤں میں اُڑ گئے
کِتنے خیال سایۂ دیوار ہو گئے

شبلی کا پھُول جذبۂ منصُور کی صدا
راہِ وفا میں تیغ کی جھنکار ہو گئے

ڈھلتی رہیں شعُور میں تاروں کی تابشیں
اِک جام پی کے صاحبِ اسرار ہو گئے

ہم بیکسوں کو چاند کی کرنوں سے واسطہ
زُلفوں کو چھو لیا تو خطا کار ہو گئے

دِل کی چبھن نے کیفِ تمنّا بڑھا دیا
کانٹے بھی آج صورتِ گلزار ہو گئے

پروانے بن گئے ہیں چنبیلی کی نکہتیں
کیا دیکھنا کہ صُبح کے آثار ہو گئے

ساغر کا بجلیوں نے سماں اور کر دیا
ہم ظلمتوں سے کھیل کے انوار ہو گئے



○

تیری زُلفوں کے پُھول مُرجھائے
عشق کی بندگی کے کام آئے

صُبح تیرے جلو میں روشن ہے
میرے ہمراہ شام کے سائے

بے صَدا ہے ترانۂ منصُور
عقدۂ دار کون سُلجھائے

روشنی تھی تو دُور تھے کچھ لوگ
اب اندھیروں میں ڈھونڈنے آئے

موت کی گونجتی ہواؤں میں
ہم نے نغمے حیات کے گائے

داغِ دِل تھے ضیاؤں کی تفسیر
تذکرے ماہتاب کے آئے

اس درندوں کی بھیڑ میں ساغرؔ
کاش انسان کوئی کہلائے



○

بند گر ہو نہ تیرا خمیازہ
بُھوک ہے زندگی کا دروازہ

چارہ گر بانکپن مُبارک ہو
زخمِ دل ہو گئے تروتازہ

پُوچھ لو! تُربتوں کے کتبوں سے
دے رہی ہے حیات آوازہ

ساحلِ آرزُو سے کرتے ہیں
حسرتوں کے بھنور کا اندازہ

چند غزلوں کے رُوپ میں ساغرؔ
پیش ہے زندگی کا شیرازہ

جب گلستاں میں بہاروں کے قدم آتے ہیں
یاد بُھولے ہوئے یاروں کے کرم آتے ہیں

لوگ جس بزم میں آتے ہیں ستارے لے کر
ہم اسی بزم میں بادیدۂ نم آتے ہیں

مَیں وہ اِک رندِ خرابات ہُوں میخانے میں
میرے سجدے کے لیے ساغرِ جم آتے ہیں

اب مُلاقات میں وہ گرمیٔ جذبات کہاں
اب تو رکھنے وہ محبت کا بھرم آتے ہیں



قُربِ ساقی کی وضاحت تو بڑی مشکل ہے
ایسے لمحے تھے جو تقدیر [illegible] سے کم آتے ہیں

مَیں بھی جنت سے نکالا ہُوا اِک بُت ہی تو ہُوں
ذوقِ تخلیق تجھے کیسے ستم آتے ہیں

چشمِ ساغر ہے عبادت کے تصوّر میں سدا
دل کے کعبے میں خیالوں کے صنم آتے ہیں

○

فریاد کے تقاضے ہیں نغمۂ سخن میں
الفاظ سو گئے ہیں کاغذ کے پیرہن میں

ہر آن ڈس رہی ہیں ماضی کی تلخ یادیں
محسوس کر رہا ہوں بیچارگی وطن میں

ٹکڑا کوئی عطا ہو احرامِ بندگی کا
سوراخ پڑ گئے ہیں اخلاص کے کفن میں

اے پاسبانِ گلشن تجھ کو خبر نہیں ہے
شعلے بھڑک رہے ہیں پھولوں کی انجمن میں

اے یار تیرے غم سے فرصت اگر ملی تو
تبدیلیاں کروں گا اس عالمِ کہن میں

دیکھا ہے میں نے دل کی بیتابیوں کا منظر
اِک ٹوٹتی کلی میں، اِک ڈوبتی کرن میں



○

صراحی جام سے ٹکرایئے برسات کے دن ہیں
حدیثِ زندگی دُہرایئے برسات کے دن ہیں

سفینہ لے چلا ہے کس مخالف سمت کو ظالم
ذرا ملاح کو سمجھایئے برسات کے دن ہیں

کِسی پُر نُور تہمت کی ضرورت ہے گھٹاؤں کو
کہیں سے مہ وشوں کو لایئے برسات کے دن ہیں

طبیعت گردشِ دوراں کی گھبرائی ہوئی سی ہے
پریشاں زُلف کو سُلجھایئے برسات کے دن ہیں

بہاریں ان دِنوں دشتِ بیاباں میں بھی آتی ہیں
فقیروں پر کرم فرمایئے برسات کے دن ہیں

یہ موسم شورشِ جذبات کا مخصوص موسم ہے
دلِ نادان کو بہلایئے برسات کے دن ہیں

سُہانے آنچلوں کے ساز پر اَشعار ساغر کے
کِسی بےچین دُھن میں گایئے برسات کے دن ہیں



○

کُچھ کیفِ سَحر ہے نہ مجھے شام کا نشہ
ہے میرے لیے بادۂ بے نام کا نشہ

آنکھوں سے چھلکتے ہوئے عرفاں کے ترانے
زُلفوں سے برستا ہوا الہام کا نشہ

ہر گام لرزتے ہوئے تدبیر کے پیکر
تقدیر کی آنکھوں میں ہے آلام کا نشہ

ہر دِل میں تڑپتے ہوئے ارماں کی کہانی
ہر آنکھ میں خونِ دل ناکام کا نشہ

پھر ڈوب گیا گیسوئے جاناں کی مہک میں
دو دِن تو رہا گردشِ ایام کا نشہ

ہیں شیشہ و ساغر کے یہاں رنگ انوکھے
ہے ایک یہاں بادۂ گُلفام کا نشہ

○

بات پھولوں کی سُنا کرتے تھے
ہم کبھی شعر کہا کرتے تھے

مشعلیں لے کے تمہارے غم کی
ہم اندھیروں میں چلا کرتے تھے

اب کہاں ایسی طبیعت والے
چوٹ کھا کر جو دُعا کرتے تھے

ترکِ احساسِ محبّت مشکل
ہاں مگر اہلِ وفا کرتے تھے

بکھری بکھری ہوئی زُلفوں والے
قافلے روک لیا کرتے تھے

آج گلشن میں شگوفے ساغر
شکوۂ بادِ صبا کرتے تھے



○

تم نے جو چاہا وُہ دُنیا بن گئی
دیکھیے! پُھولوں کا گجرا بن گئی

رات یُوں کُچھ مائلِ نغمہ تھا دل
چاندنی سازِ تمنّا بن گئی

جب کِسی صُورت نہ عنواں مِل سکا
آرزو بے نام صحرا بن گئی

مَوج و دریا میں نہیں ہے فرق کُچھ
مَوج لہرائی تو دریا بن گئی

توڑ دیں یا ہم اسے رکھ لیں حضور
زندگی مفلس کا کاسہ بن گئی

میرے جامِ مے سے اُڑ کر اک چھینٹ
صبح کے ماتھے کا قشقہ بن گئی

زندگی کی بات ساغر کیا کہیں
اک تمنا تھی تقاضا بن گئی



○

آوارگی برنگِ تماشا بُری نہیں
ذوقِ نظر مِلے تو یہ دُنیا بُری نہیں

کہتے ہیں تیری زُلفِ پریشاں کو زندگی
اے دوست زندگی کی تمنا بُری نہیں

ہے ناخُدا کا میری تباہی سے واسطہ
میں جانتا ہُوں نیّتِ دریا بُری نہیں

جب زندگی کو مِل نہ سکا زرفشاں کفن
ذوقِ فنا کو چادرِ صحرا بُری نہیں

اچھا ہوا کہ منزلِ ہستی سے دُور ہیں
کچھ راہ و رسمِ خِضر و مسیحا بُری نہیں

ساغر کے ساتھ چل کے کبھی میں بھی سن چکا
واللہ حدیثِ بادہ و مینا بُری نہیں

○

متاعِ دل سے خالی ہو گئے ہیں
ترِے در کے سوالی ہو گئے ہیں

نظر مجروح نظاروں سے دیکھی
حوادث کچھ خیالی ہو گئے ہیں

چلو اے بُلبلو اس گلستاں سے
یہاں صیّاد مالی ہو گئے ہیں

تمھارے گیسوؤں کی تیرگی سے
اندھیرے بھی جمالی ہو گئے ہیں

ہمارے داغِ دِل کے ترجماں ہیں
ستارے میر و حالی ہو گئے ہیں

ہزاروں ولولے ساغر چمن میں
خزاں کی خشک ڈالی ہو گئے ہیں



سب سے تیرا کرم غنیمت ہے
جو گزر جائے دَم غنیمت ہے

آپ صبحِ بہار لے جائیں
مُجھ کو شامِ اَلم غنیمت ہے

خواہشوں کی پرستشیں توبہ
آدمی کا بھرم غنیمت ہے

اتنی دشوار تو نہیں منزل
زُلفِ جاناں کا خم غنیمت ہے

اس تقدس کے قحط میں یارو
ان کا نقشِ قدم غنیمت ہے

تلخیِ کائنات ہے دل میں
جام میں ہی ستم غنیمت ہے

شبنمی شبنمی فضاؤں میں
دولتِ چشمِ نم غنیمت ہے



جلوے مچل رہے ہیں نظاروں کی آگ میں
کچھ پھول جل رہے ہیں بہاروں کی آگ میں

آشفتگی سے چور ہیں زلفوں کی بدلیاں
ساقی شراب ڈال چناروں کی آگ میں

پلکوں میں بھیگی بھیگی ہیں کجلے کی دھاریاں
شبنم مہک رہی ہے شراروں کی آگ میں

ساغر نہیں تو پیار کے دو بول ہی سہی
کچھ تو کمی ہو بادہ گساروں کی آگ میں

اللہ رے یقینِ محبت کی داستاں
دامن سُلگ رہا ہے ستاروں کی آگ میں

کہتی ہے ناخُدا سے یہ سوچوں کی شورشیں
تیرے بھی مشورے تھے کناروں کی آگ میں

ساغر رہیں گے رونقِ بازارِ آرزُو !
اشعار جو کہے ہیں نگاروں کی آگ میں



راہزن آدمی رہنما آدمی
بارہا بن چکا ہے خُدا آدمی

ہائے تخلیق کی کار پردازیاں
خاک سی چیز کو کہہ دیا آدمی

کُھل گئے جنّتوں کے وہاں زائچے
دو قدم جُھوم کر جب چلا آدمی

زندگی خانقاہِ شہُود و بقا
اور لوحِ مزارِ فنا آدمی

صبحدم چاند کی رخصتی کا سماں
جس طرح بحر میں ڈوبتا آدمی

کچھ فرشتوں کی تقدیس کے واسطے
سہہ گیا آدمی کی جفا آدمی

گونجتی ہی رہے گی فلک در فلک
ہے مشیّت کی ایسی صدا آدمی

آس کی مُورتیں پُوجتے پُوجتے
ایک تصویر سی بن گیا آدمی



پُھول جلتے ہیں ہار جلتے ہیں
چاندنی کے مزار جلتے ہیں

اے مُصوّر! یہ کیا تماشہ ہے
رنگ سے شاہکار جلتے ہیں

روکیے بے قرار کا کل کو
دیکھیے! لالہ زار جلتے ہیں

مُدّتوں سے ہے سَرد میخانہ
دیر سے میکسار جلتے ہیں

تیرے آنچل کی مست چھاؤں میں
بے خودی کے دیار جلتے ہیں

کچھ پتنگے چراغ کی لَو پر
کتنے بے اختیار جلتے ہیں

فکرِ ساغرؔ کی گرمیاں مت پُوچھ
اِس چتا میں نگار جلتے ہیں



مانگی ہے اس دیار میں دونوں جہاں کی بھیک
لیکن ملی ہمیں دلِ ناکامراں کی بھیک!

ایسے بھی راہِ زیست میں آئے کئی مقام
مانگی ہے پائے شوق نے عزمِ جواں کی بھیک

بے نُور ہو گئی ہیں سِتاروں کی بستیاں
ساقی عطا ہو بادۂ شُعلہ فشاں کی بھیک

اَب اور کیا تغیّرِ تقدیر چاہیے
جھولی میں ڈال دی ترے نام ونشاں کی بھیک

خود بِک گئے حیات کی نیلام گاہ میں
وہ بانٹتے تھے جو کبھی کون و مکاں کی بھیک

دو چار پتّیوں پہ ہے رنجش بہار سے
سائل نے مانگ لی ہے کہاں گلستاں کی بھیک

اللہ ان کے نقشِ کفِ پا کی خیر ہو!
ذرّوں کو دے گئے جو مہ و کہکشاں کی بھیک

ساغؔر خوشا کہ گوہرِ اُمید پا لیا
قسمت سے ہاتھ آئی غمِ دوستاں کی بھیک



وہ بُلائیں تو کیا تماشا ہو
ہم نہ جائیں تو کیا تماشا ہو

یہ کناروں سے کھیلنے والے
ڈوب جائیں تو کیا تماشا ہو

بندہ پرور جو ہم پہ گزری ہے
ہم بتائیں تو کیا تماشا ہو

آج ہم بھی تری وفاؤں پر
مُسکرائیں تو کیا تماشا ہو

تیری صورت جو اتفاق سے ہم
بھول جائیں تو کیا تماشا ہو

وقت کی چند ساعتیں ساغؔر
لَوٹ آئیں تو کیا تماشا ہو

رہگذر کے چراغ ہیں ہم لوگ
آپ اپنا سُراغ ہیں ہم لوگ

جل رہے ہیں نہ بُجھ رہے ہیں دوست
کسی سینے کا داغ ہیں ہم لوگ

خود تہی ہیں مگر پلاتے ہیں
میکدے کے ایاغ ہیں ہم لوگ

دشمنوں کو بھی دوست کہتے ہیں
کتنے عالی دماغ ہیں ہم لوگ

چشمِ تحقیر سے نہ دیکھ ہمیں
دامنوں کا فراغ ہیں ہم لوگ

ایک جھونکا نصیب ہے ساغرؔ
اس گلی کے چراغ ہیں ہم لوگ



زُلفوں کی گھٹائیں پی جاؤ
وہ جو بھی پلائیں پی جاؤ

اے تشنہ دہانِ جورِ خزاں
پھولوں کی ادائیں پی جاؤ

تاریکئ دوراں کے مارو
صُبحوں کی ضیائیں پی جاؤ

نغمات کا رَس بھی نشہ ہے
بربط کی صدائیں پی جاؤ

مخمور شرابوں کے بدلے
رنگین خطائیں پی جاؤ

اشکوں کا مچلنا ٹھیک نہیں
بے چین دُعائیں پی جاؤ

احساس کے ٹوٹے ساغر میں
یاروں کی وفائیں پی جاؤ



وہ عزم ہو کہ منزلِ بیدار ہنس پڑے
ہر نقشِ پا پہ جُراُتِ رَہوار ہنس پڑے

اب کے برس بہار کی صُورت بدل گئی
زخموں میں آگ لگ گئی گلزار ہنس پڑے

اس داستان درد کی تمہید آپ ہیں
جس داستانِ درد پہ غم خوار ہنس پڑے

حیران ہو رہی ہے شگوفے پہ چاندنی
شاید قفس پہ آج گرفتار ہنس پڑے

لُٹ جائے تیرے نام سے ہر تلخیِ جفا
وہ کام کر کہ بے کس و نادار ہنس پڑے

میرے جنوں نے آج وہ سجدہ ادا کیا
بُت خانۂ حیات کے آثار ہنس پڑے

پھر شادماں ہوئے ہیں خرابے حیات کے
ساغر کسی کے گیسوئے خمدار ہنس پڑے



(۷)

جفا و جور و ستم انتخاب کر لیں گے
تمہاری زلف کے خم انتخاب کر لیں گے

کِسی طرح تو کریں گے دیارِ دل روشن
چراغِ شامِ عدم انتخاب کر لیں گے

میں سوچتا ہُوں یہ فاقوں میں ڈوبتے سورج
فریبِ ابرِ کرم انتخاب کر لیں گے

چلے چلو کہ تجسّس کا نام ایماں ہے
خدا نہیں تو صنم انتخاب کر لیں گے

جو منزلیں نہ ملیں رہگذارِ ہستی میں
کِسی کا نقشِ قدم انتخاب کر لیں گے

۹ یاد آ کے رہ گئے ہیں زمانے وفاؤں کے
شعلے جگا کے چل دیئے جھونکے ہواؤں کے

ہر اِک قدم پہ تلخیِ دَوراں کی دُھوپ تھی
تھے ہم بھی اس گلی میں طلبگار چھاؤں کے

کرتے رہے جو چاند سِتاروں کی رہبری
کُچھ مُنتظر ہیں ہم بھی انہی رہنماؤں کے

ہر ذہن میں پڑے ہیں ترِی زُلف کے بھنور
ہر دل کی سرزمیں پہ نشاں تیرے پاؤں کے

بے چارگیِ زیست کا دامن نہ بھر سَکا
ہم نے لُٹا دیئے ہیں خزانے دُعاؤں کے

تجدیدِ ذوقِ ساغر و مینا کی بات کر
بدلے ہوئے ہیں رنگ چمن کی فضاؤں کے



ہیں کتنی سازگار زمانے کی تلخیاں
تُو ہے تو پُر بہار زمانے کی تلخیاں

میں تلخیوں کے سائے میں پَل کر جواں ہُوا
ہیں میری غمگسار زمانے کی تلخیاں

اے رہروِ حیات ذرا جام تو اُٹھا
بن جائیں گی قرار زمانے کی تلخیاں

جو ہو سکا نہ واقفِ آدابِ میکدہ
کرتا رہا شمار زمانے کی تلخیاں

تم ساتھ ہو تو جانِ وفا میرے واسطے
پھولوں کی رہگذار زمانے کی تلخیاں

دیکھی ہیں بارہا مِری چشمِ شعور نے
انسان کا وقار زمانے کی تلخیاں

ساؔغر یہی بلندی و پستی کا راز ہیں
تقدیسِ روزگار زمانے کی تلخیاں



موجیں ہیں اور بادہ گُساروں کے قافلے
رقصاں ہیں مَست مَست کناروں کے قافلے

تھم تھم کے آ رہی ہیں نگاروں کی نکہتیں
رُک رُک کے چل رہے ہیں بہاروں کے قافلے

یُوں کاروانِ زیست رواں ہیں کہ ساتھ ساتھ
رفتار میں ہیں بادہ گساروں کے قافلے

پلکوں پہ جَم رہی ہے غمِ زندگی کی اوس
بانہوں میں سو گئے ہیں سہاروں کے قافلے

محسوس ہو رہا ہے یہ پھولوں کو دیکھ کر
گھبرا کے سو گئے ہیں شراروں کے قافلے

اے یار تیری زلفِ پریشاں کو دیکھ کر
بے تاب ہو گئے ہیں چناروں کے قافلے

اے جانِ انبساط تجلّی دُہائی ہے!
آ جا کہ لُٹ چلے ہیں ستاروں کے قافلے

ہے صحنِ آرزو میں لُٹی چاندنی کی دُھول
ساغؔر چلے گئے مرے یاروں کے قافلے



خیالِ یار میں ہم پُر بہار رہتے ہیں
خزاں کے دن بھی ہمیں سازگار رہتے ہیں

چمن میں صرف ہمارا ہی ذکر رہتا ہے
برنگِ لالہ ہمی داغدار رہتے ہیں

یہ اور بات کہ تم آئے ہو تو کوئی نہیں
وگرنہ غم تو یہاں بے شمار رہتے ہیں

جہانِ قُدس بھی میری نظر سے گزرا ہے
وہاں بھی تیری نظر کے شکار رہتے ہیں

بصیرتوں کو نکھارا ہمی نے اے ساغؔر
تجلّیوں سے ہمی ہمکنار رہتے ہیں

میرے آنسو ہیں کسی شامِ غریباں کے دیئے
جگمگاتے ہی رہیں گے یہ چراغاں کے دیئے

سائے کی طرح منڈیروں سے گزرنے والے
جل رہے ہیں ابھی ٹوٹے ہوئے ارماں کے دیئے

ظلمتِ دہر میں ہر سمت اُجالا کر دوں
کاش مِل جائیں مجھے کوچۂ جاناں کے دیئے

اپنے دامن کی ہواؤں سے بُجھا دو ! آ کر
دِل کی دُنیا نہ جَلا دیں غمِ دوراں کے دیئے



جیسے احساس کی پت جھڑ میں شرارے جاگیں
پھر خیالوں میں جلے جنت پیماں کے دیئے

تُند اور تیز کیے ہم نے بگولوں کے مزاج
ہم سے پُر نُور ہوئے چشمِ غزالاں کے دیئے

اب تو ایوانِ تصوّر سے دُھواں اُٹھتا ہے
میرے آنگن میں کہاں کیفِ بہاراں کے دیئے

میرے افسانے میں توقیر ہے شب کی ساغر
ماہ و انجم مرے افکار میں عنواں کے دیئے

(۶)

انقلابِ حیات کیا کہیے
آدمی ڈھل گئے مشینوں میں

میرے نغموں کا دل نہیں لگتا
ماہ پاروں میں، مہ جبینوں میں

جاؤ اہلِ خرد کی محفل میں
کیا کرو گے جنوں نشینوں میں



(۷)

دِلوں کو اُجالو ! سحر ہو گئی ہے
نگاہیں مِلا لو ! سحر ہو گئی ہے

اٹھو ! کشتی زیست کو ظلمتوں کے
بھنور سے نِکالو ! سحر ہو گئی ہے

سنوارو یہ زُلفیں کہ شب کٹ چکی ہے
یہ آنچل سنبھالو ! سَحر ہو گئی ہے

شکستہ اُمیدوں کی پُروائیوں کو
گلے سے لگا لو ! سَحر ہو گئی ہے

پگھلنے لگا ہے ضمیر مشیّت
اُٹھو سونے والو ! سحر ہو گئی ہے

بہاروں کے ساغر سے اے مہ جمالو
ضیائیں اُچھالو ! سحر ہو گئی ہے

سوزِ تصوّرات سے تصویر جل گئی
اِک نغمہ گر کی جھومتی تقدیر جل گئی

ساقی نے اس ادا سے بکھیری ہیں بجلیاں
پیمانۂ حیات کی تنویر جل گئی

لاشے تڑپ رہے ہیں سرِ مقتلِ وفا
بِسمل کا رقص دیکھ کے شمشیر جل گئی

تاثیرِ آہِ سرد کی صُورت پہ ہنس پڑی
آہوں کا یہ گلہ ہے کہ تاثیر جل گئی



وہ مُسکرا رہے تھے مِرے حال زار پر
دیکھا تھا ایک خواب کہ تعبیر جل گئی

فرمودۂ خیال و نظر چاک چاک ہے
فرمانِ التفات کی تحریر جل گئی

بنیادِ میکدہ میں وضو کے ظروف تھے
ساغرؔ سُنا ہے جدتِ تعمیر جل گئی

(۷)

تَن سُلگتا ہے مَن سُلگتا ہَے
جب بہاروں میں بَن سُلگتا ہَے

نوجوانی عجیب نشہ ہَے
چھاؤں میں بھی بدن سُلگتا ہَے

جب وہ محوِ خرام ہوتے ہیں
رنگِ سَرو و سَمن سُلگتا ہے

جانے کیوں چاندنی میں پچھلی رات
چُپکے چُپکے چمن سُلگتا ہے

تیرے سوزِ سخن سے اے ساغر
زندگی کا چلن سُلگتا ہے



(۷)

چمن میں غنچے کھِلے ہوئے ہیں مگر نگارِ چمن نہیں ہے
نگاہ میں وُسعتیں نہیں ہیں خیال میں بانکپن نہیں ہے

کبھی خِرد کے جہاں سے گزرے کبھی جنوں کا نگر بسایا
ہیں بے نیاز قیام و راحت ہمارا کوئی وطن نہیں ہے

ہماری حالت پہ رونے والو! ہماری عادت پہ ہنسنے والو
تمہیں کوئی رنج ہو تو ہوگا! ہمیں کوئی بھی محن نہیں ہے

تمہاری کاکُل کا نام لے کر بہار پھُولوں کو ڈس رہی ہے
غرورِ شبنم تو پھر اُڑا ہے وقارِ سرو و سمن نہیں ہے

حیا کے پہرے ہیں بازوؤں پر جبیں پہ آنچل کی حکمرانی
کوئی ہُمکتا ہوا تنفّس کوئی مچلتی کرن نہیں ہے

یہاں جو بڑھ کر اُٹھائے مینا اسی کا ساغر اسی کی مینا
ہیں اپنے اپنے نصیب ساقی کسی کا کوئی بَجن نہیں ہے

۱۸ یارب ترے جہان کے کیا حال ہو گئے
کچھ لوگ خواہشات کے دلاّل ہو گئے

تپتی رہی ہے آس کی کرنوں پہ زندگی
لمحے جدائیوں کے مہ و سال ہو گئے

بُھولی ہے رنگ رنگ کو دُنیا کی زِرتکی
نغمے رُباب وقت کے بے تال ہو گئے

وحشت میں اپنے تارِ گریباں ہی دوستو
اُلجھے تو ہر قدم پہ گراں جال ہو گئے

ساغرؔ جو کل کھِلے تھے وہ غنچے کہاں گئے
ہنگامۂ بہار میں پامال ہو گئے

چمن لُٹ رہا ہے صبا رو رہی ہے
پئے سوگواراں فضا رو رہی ہے

شہادت پہ اکبرؓ کی ساری خُدائی
گریباں کھُلے ہیں وفا رو رہی ہے

فرشتے سرِعرش ماتم کناں ہیں
کہ پیاسوں کی خاطر گھٹا رو رہی ہے

ذرا خاکِ کربل کی توقیر دیکھو
کہ بنتِ نبیؐ کی رِدا رو رہی ہے

وہ شبیرؓ آئے ہیں نیزے کی زد پر
تڑپتی ہیں کرنیں، ضیا رو رہی ہے

بہاروں کے ہیں چاک دامان یارو
ہے نغموں کا ماتم، نوا رو رہی ہے

ہے تیرِ جفا اور حلقومِ اصغرؓ
جفاؤں پہ ساغر جفا رو رہی ہے



وسعتِ گیسوئے جاناں سے اُلجھ بیٹھے ہیں
صُورتِ گردشِ دوراں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

مدحتِ بادۂ انگور کی خاطر ساقی
رِند اِک صاحبِ ایماں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

چند نغمے جو مرے سازِ جنوں نے چھیڑے
مستیِ چشمِ غزالاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

آج گمنامیِ احساس کا پرچم لے کر
آدمی شہرتِ یزداں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

ایسے کچھ لوگ جنہیں صاحبِ اخلاص کہیں
پھر مرے حالِ پریشاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

نکہتیں صحنِ گلستاں سے خبر لائی ہیں
پھول آدابِ گُلستاں سے اُلجھ بیٹھے ہیں

کچھ پتنگے کہ عطا ہے جنہیں شعلوں کا مزاج
رونقِ شامِ غریباں سے اُلجھ بیٹھے ہیں



جَام ٹکراؤ ! وقت نازک ہے
رنگ چھلکاؤ ! وقت نازک ہے

حسرتوں کی حسین قبروں پر
پُھول برساؤ ! وقت نازک ہے

اِک فریب اور زندگی کے لیے
ہاتھ پھیلاؤ ! وقت نازک ہے

رنگ اُڑنے لگا ہے پُھولوں کا
اب تو آ جاؤ ! وقت نازک ہے

تِشنگی تِشنگی ! ارے توبہ
زُلف لہراؤ ! وقت نازک ہے

بزمِ ساغر ہے گوش بر آواز
کچھ تو فرماؤ ! وقت نازک ہے

یہ نہ ہوتا تو بات کچھ بھی نہ تھی
داستانِ حیات کچھ بھی نہ تھی

حرفِ مطلب کو ڈھالتے کیسے
جامِ شہرت اچھالتے کیسے

یہ کتابیں، کہانیاں، قصے!
حُسنِ دوراں کے معتبر حصے

یہ ترقی، یہ عزت و اکرام
زندگی کے حسین تر انعام



مُعجزے ہیں قلم کی حرکت کے
ہیں قلم سے اصول فطرت کے

عِلم و حکمت کو اس نے پالا ہے
ظُلمتِ دہر میں اُجالا ہے

ہر صدا کا جواب دیتا ہے
زندگی کو شباب دیتا ہے

آئنہ ہے خیالِ آدمؑ کا
ایک نکتہ جمالِ آدمؑ کا

محبت مستقل غم ہے محبت غم کا گہوارہ
جو آنسو رنگ لے آئے وہی دامن کا شہ پارہ

جسے ارماں کا خوں دے کر بنام آرزو سینچا!
خدا جانے کہاں ہے وہ جہان زندگی آرا

مِرا ذوقِ خریداری ہے اِک جنسِ گراں مایہ
کبھی پھولوں کے شیدائی کبھی کانٹوں کا بنجارہ

جہاں منصب عطا ہوتے ہیں بے فکر و فراست بھی
وہاں ہر جستجو جھوٹی ، وہاں ہر عزم ناکارہ



بسا اوقات چھولیتی ہے دامن کبریائی کا
تمہاری جنبشِ ابرو مری تخلیقِ آوارہ

نہ جانے محتسب کیوں میکدے کا نام دیتے ہیں
جہاں کچھ آدمی کرتے ہیں اپنے درد کا چارہ

ترے گیسو خیالوں کی گرفتِ ناز سے گزرے
کہ جیسے ایک جوگی بَن میں لہراتا ہے دو تارہ

پلٹ آئے ہیں شاید انقلابِ دید کے لمحے
نظر کی وسعتوں میں ڈوبتا جاتا ہے نظارہ

فقط اِک ہات میں ٹوٹا ہوا ساغر اُٹھانے سے
لرز اٹھا ہے اے یزداں تری عظمت کا مینارہ

⑦

زندگی کا رنگ دینا ہے تری بیداد کو
سُرخیِ خونِ تمنّا چاہیے فرہاد کو

نامکمّل ہیں ابھی مظلوم کی رُسوائیاں
پھر ذرا ترتیب دیجے ظلم کی روداد کو

یہ حَسیں پلکوں کے جُھولے اور اشکِ آرزو
مُسکرا کر پالتا ہُوں دَرد کی اولاد کو

دام کے حلقے لگائے ہیں وہیں صیّاد نے
صَید نے معصُوم سمجھا تھا جہاں صیّاد کو



میرے خُونِ آرزو سے زندگی کی آبرو
مَیں نے رنگیں کر دیا ہے عالمِ ایجاد کو

جُستجو پھر بھی ترے غم کی رہی احساس کو
دربدر لے کر پھرا ہوں اِس دلِ ناشاد کو

راہرو ساغرؔ کسی سے دل لگاتے ہیں کہاں
منزلوں پر چھوڑ دیں گے راستے کی یاد کو

عطا جسے ترا عکسِ جمال ہوتا ہے
وہ پُھول سارے گلستاں کا لال ہوتا ہے

تلاش کرتی ہے سائے تمہارے آنچل کے
چمن میں بادِ صبا کا یہ حال ہوتا ہے

رہِ مجاز میں ہیں منزلیں حقیقت کی
مگر یہ اہلِ نظر کا خیال ہوتا ہے

یہ واردات بھی اب دل پہ روز ہوتی ہے
مسرّتوں میں بھی ہم کو ملال ہوتا ہے



بہار فطرتِ صیّاد کی کہانی ہے
کہ اس کے دوش پہ پُھولوں کا جال ہوتا ہے

یہ بکھرے بکھرے سے گیسو تھکی تھکی آنکھیں
کہ جیسے کوئی گلستاں نڈھال ہوتا ہے

جواب دے نہ سکیں جس کا دو جہاں ساغر
کسی غریب کے دل کا سوال ہوتا ہے
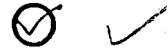
یہ دُنیا ہے یہاں ہر لمحۂ تقدیر ظالم ہے
مرے افسانۂ بے نام کی تحریر ظالم ہے

غمِ ہستی کی زنجیروں سے انساں کو کہاں فرصت
کبھی حالات ظالم ہیں کبھی تدبیر ظالم ہے

مصوّر کا قلم رنگینیوں میں ڈوب کر اُبھرا
تصوّر مُسکرا کر کہہ گیا تصویر ظالم ہے

چراغِ آرزو کو اِک سہارا دے ہی جاتی ہے
یہاں ڈھلتے ہوئے سُورج کی ہر تنویر ظالم ہے

پلٹ کر زندگی کو زخمِ تازہ دے گئی اکثر
ہمارے نالہ و شیون کی ہر تاثیر ظالم ہے

چبھو کر دِل میں نشتر بیٹھ جاتے ہیں کہیں ساغر
شواہد کہہ رہے ہیں یہ فلک بے پیر ظالم ہے



اے دلِ بے قرار چُپ ہو جا
جا چکی ہے بہار چُپ ہو جا

اب نہ آئیں گے رُوٹھنے والے
دیدۂ اشکبار چُپ ہو جا

جا چُکا کاروانِ لالہ و گُل
اُڑ رہا ہے غبار چُپ ہو جا

چھوٹ جاتی ہے پھُول سے خُوشبو
رُوٹھ جاتے ہیں یار چُپ ہو جا

ہم فقیروں کا اس زمانے میں
کون ہے غمگسار چُپ ہو جا

حادثوں کی نہ آنکھ کُھل جائے
حسرتِ سوگوار چُپ ہو جا

گیت کی ضرب سے بھی اے ساغؔر
ٹوٹ جاتے ہیں تار چُپ ہو جا



ترے غم کو متاعِ حُسنِ انساں کر لیا مَیں نے
نگارِ آدمیت کو غزل خواں کر لیا میں نے

تڑپ کر سوزِ دِل کو جلوہ ساماں کر لیا میں نے
بہت بے نُور تھی دُنیا چراغاں کر لیا میں نے

کِسی کے اِک تبسم پر اساسِ زندگی رَکھ لی
شراروں کو نشیمن کا نگہباں کر لیا مَیں نے

اُٹھا کر چُوم لی ہیں چند مُرجھائی ہوئی کلیاں
نہ تم آئے تو یُوں جشنِ بہاراں کر لیا مَیں نے

خدا رکھے یہ عذرِ جورِ باقی تم نہ شرماؤ
اب اپنی آرزوؤں کو پشیماں کر لیا مَیں نے

ابھی تک بے کفن سی ہے مری وحشت کی عریانی
یہ کِس اُمید پر گھر کو بیاباں کر لیا مَیں نے

کبھی ساغر بکف میں وجد میں آیا جو لہرا کر
تو اپنے ساتھ دُنیا کو بھی رقصاں کر لیا میں نے



ذرا گیسوئے یار کھولے گئے ہیں
تدّبر کے بازار کھولے گئے ہیں!

شگوفوں کے اَرماں نچوڑے گئے ہیں
شراروں کے اسرار کھولے گئے ہیں

کئی بار تیری وفاؤں کے عقدے
سرِ منزلِ دار کھولے گئے ہیں!

اُلٹ کر نقابِ رُخِ گُل نگاراں
بہاروں کے دَربار کھولے گئے ہیں

اُمید کے موتی ارزاں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے
پھُولوں سے مہکتے داماں میں درویش کی جھولی خالی ہے

احساسِ صفائی پتّھر ہے ایمان سُلگتی دُھونی ہے
بے رنگ مزاجِ دَوراں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے

بے نُور مروّت کی آنکھیں بے کیف عنایت کے جذبے
ہر سمت بدلتے عنواں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے

گدڑی کے پھٹے ٹکڑے ساغر اجرامِ تخیّل کیا ڈھانپیں
فریاد کے نقطے حیراں ہیں درویش کی جھولی خالی ہے



اَشک رَواں نہیں ہیں ندامت کے پھُول ہیں
رُوٹھے ہُوئے بہار سے رحمت کے پھُول ہیں

ہیں داغہائے دِل کی شباہت لیے ہُوئے
شاید یہی وُہ باغِ محبت کے پھُول ہیں

ڈسنے لگی ہیں شاخِ تمنّا کی کونپلیں
رسوائیوں کے خارِ معیشت کے پھُول ہیں

رقصاں ہیں رنگ رنگ خیابانِ زندگی
پنہاں کہانیوں میں حقیقت کے پھُول ہیں

دیوانگانِ کاکلِ ساقی سے مانگیے
وحشت کی وادیوں میں فراست کے پھول ہیں

ایوانِ گُل فشاں کے مکینو ذرا سنو!
ان جھونپڑوں میں بھی کہیں فطرت کے پھول ہیں

کہتے ہوئے سُنے ہیں سُخن آشنائے وقت
ساغر کے شعر بزمِ لطافت کے پھول ہیں



—

مدعا کُچھ نہیں فقیروں کا
درد ہے لا دوا فقیروں کا

اور تو کُچھ نہیں صدا بابا
ہو بھلا کر بھلا فقیروں کا

اپنی تنہائیوں پہ ہنستے ہیں
کون ہے آشنا فقیروں کا

منزلوں کی خبر خدا جانے
عشق ہے رہنما فقیروں کا

ایک مدّت سے خالی خالی ہے
کاسۂ التجا فقیروں کا

میکدے کی حدُود میں ہوں گے
کیا بتائیں پتا فقیروں کا

زُلفِ جاناں کی نکہتیں ساغرؔ
بن گئیں آسرا فقیروں کا



⊗

فریاد کے تقاضے ہیں نغمۂ سخن میں
الفاظ سو گئے ہیں کاغذ کے پیرہن میں

ہر آن ڈس رہی ہیں ماضی کی تلخ یادیں!
محسوس کر رہا ہُوں بے چارگی وطن میں

ٹکڑا کوئی عطا ہُو احرامِ بندگی کا
سوراخ پڑ گئے ہیں اخلاص کے کفن میں

اے پاسبان گلشن تجھ کو خبر نہیں ہے
شعلے بھڑک رہے ہیں پھولوں کی انجمن میں

اے یار تیرے غم سے فرصت اگر ملی تو
تبدیلیاں کروں گا اس عالمِ کہن میں

○

اِن بہاروں پہ گُلستان پہ ہنسی آئی ہے
دِل کے ہر داغِ فروزاں پہ ہنسی آئی ہے

آج پھر جامِ تہی اور گھٹا اُٹھی ہے
آج پھر رحمتِ یزداں پہ ہنسی آئی ہے

میری بھیگی ہوئی پلکوں کی چھما چھم پہ نہ جا
تیرے ٹوٹے ہُوئے پیماں پہ ہنسی آئی ہے

جب کبھی بچھڑا ہوا دوست ملا ہے کوئی
مُجھ کو اخلاصِ عزیزاں پہ ہنسی آئی ہے

مُجھ کو اِک زہر کا چھلکا ہوا ساغر دے دو
مُجھ کو اِس دَور کے انساں پہ ہنسی آئی ہے



○

پریشاں عکسِ ہستی، آئینہ بے نُور دیکھا ہے
مِری آنکھوں نے افسردہ چراغِ طُور دیکھا ہے

سُرور و کیف کا معیار اپنی ذات ہے ساقی
شراب دَرد سے ہر جام کو معمُور دیکھا ہے

بڑی مدّت سے آشفتہ اُمیدیں یاد کرتی ہیں
کہیں اس بزم میں یارو دِل مجبور دیکھا ہے

یہ دستورِ وفا صدیوں سے رائج ہے زمانے میں
صدائے قُرب دی جن کو اُنہی کو دُور دیکھا ہے

کہیں لختِ جگر کھانے سے ساغر بھوک مٹتی ہے
لہُو کے گھونٹ پی کر بھی کوئی مخمور دیکھا ہے

ہے دُعا یاد مگر حرفِ دُعا یاد نہیں
میرے نغمات کو اندازِ نوا یاد نہیں

میں نے پلکوں سے درِیار پہ دستک دی ہے
میں وہ سائل ہوں جسے کوئی صدا یاد نہیں

میں نے جن کے لیے راہوں میں بچھایا تھا لہُو
ہم سے کہتے ہیں وہی عہدِ وفا یاد نہیں

کیسے بھر آئیں سرِشام کِسی کی آنکھیں
کیسے تھرّائی چراغوں کی ضیا' یاد نہیں



صرف دُھندلائے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہُوا' کون ہُوا کس سے خفا' یاد نہیں!

زندگی جبرِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے
جانے کس جُرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں

آؤ اِک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغرؔ کو خدا یاد نہیں

برگشتۂ یزداں سے کُچھ بھول ہوئی ہے
بھٹکے ہُوئے انسان سے کچھ بھول ہوئی ہے

تاحدِ نظر شعلے ہی شعلے ہیں چمن میں!
پھولوں کے نگہبان سے کُچھ بھول ہُوئی ہے

جس عہد میں لُٹ جائے فقیروں کی کمائی!
اس عہد کے سُلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

ہنستے ہیں مری صُورتِ مفتوں پہ شگوفے
میرے دلِ نادان سے کُچھ بھول ہوئی ہے

حوروں کی طلب اور مَے و ساغر سے ہے نفرت
زاہد! ترے عرفان سے کُچھ بھول ہُوئی ہے



○

سوچیئے مے کشی کے بارے میں
صُورتِ زندگی کے بارے میں

مشورہ ہو رہا ہے تاروں میں
دیدۂ شبنمی کے بارے میں

آپ سے کچھ ہمیں شکایت ہے
زُلف کی برہمی کے بارے میں

لوگ دیوانے ہو ہی جاتے ہیں
سوچ کر آگہی کے بارے میں

چھوڑ روداد ساغر و مینا
بات کر تشنگی کے بارے میں

○

کھلتے رہیں گے صحنِ چمن میں ہزار پھول
لیکن کہاں نصیبِ تمنا میں چار پھول

شاید یہیں کہیں ہو ترا نقشِ پائے ناز
ہم نے گرا دیئے ہیں سرِ رہگزار پھول

آوارگانِ شوق چلو ہم کریں تلاش
وہ کارواں جو چھوڑ گیا ہے غبار پھول

کھولے ہیں اس نے گیسوئے عنبر فشاں ضرور
کچھ حد سے ہو گئے ہیں سوا اشکبار پھول



بھنوروں کو جستجو ہے تیری کنج کنج میں
شاخوں پہ کر رہے ہیں ترا انتظار پھول

ہائے شہیدِ ناز کی تربت پہ رونقیں
مدھم سی اِک شمع ہے دو سوگوار پھول

پھولوں پہ مر مٹے کبھی کانٹوں پہ جی لیے
اپنی نظر میں ایک ہیں گلشن میں خار پھول

✓ یہ جو دیوانے سے دو چار نظر آتے ہیں
اِن میں کچھ صاحبِ اسرار نظر آتے ہیں

تیری محفل کا بھرم رکھتے ہیں سو جاتے ہیں
ورنہ یہ لوگ تو بیزار نظر آتے ہیں

دُور تک کوئی ستارہ ہے نہ کوئی جگنو
مرگِ اُمّید کے آثار نظر آتے ہیں

میرے دامن میں شراروں کے سوا کچھ بھی نہیں
آپ پھولوں کے خریدار نظر آتے ہیں

کل جنہیں چھو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونقِ بازار نظر آتے ہیں

حشر میں کون گواہی مری دے گا ساغر
سب تمہارے ہی طرفدار نظر آتے ہیں



(۱)

احتیاطِ فقر کا ہر مرحلہ کتنا رہا
تفاقاً آپ کی خیرات کا دھڑکا رہا

آج پھر شبنم کے قطروں نے بجایا جلترنگ
آج پھر دامن مری آواز کا بھیگا رہا

کوئی آیا ہے نہ آئے گا دلِ ناداں کبھی
یرے دَروازے کا پَردہ تو سدا ہلتا رہا

ات کی رانی کا جھونکا تھا کسی کی یاد بھی
یر تک آنگن مرے احساس کا مہکا رہا

یز رَو چلتے ہیں ساغر قافلے اس نام سے
ہنماؤں سے ہمیشہ راہزن اچھا رہا

○

بدنامیِ حیات سے رنجور ہو گئے
اے یار! تیری بات سے رنجور ہو گئے

یزداں کے حادثات پہ ہم نے کیا یقیں
اپنی شکستِ ذات سے رنجور ہو گئے

مُرجھا کے رہ گئی غمِ دشنام کی بہار
فصلِ تکلّفات سے رنجور ہو گئے

ہر رہگزر پہ چُور ہیں انسانیت کے پاؤں
شیشے کی کائنات سے رنجور ہو گئے

اپنوں نے زندگی میں ہراساں کیا مجھے
غیروں کے اِلتفات سے رنجور ہو گئے

ساغر سکون دے گئی دِل کی کسک ہمیں
اکثر خوشی کی بات سے رنجور ہو گئے



○

زخمِ دِل پر بہار دیکھا ہے
کیا عجب لالہ زار دیکھا ہے

جن کے دامن میں کچھ نہیں ہوتا
اِن کے سینوں میں پیار دیکھا ہے

تشنگی ہے صدف کے ہونٹوں پر
گل کا سینہ فگار دیکھا ہے

خاک اُڑتی ہے تیری گلیوں میں
زندگی کا وقار دیکھا ہے

ساقیا! اہتمامِ بادہ کر!
وقت کو سوگوار دیکھا ہے

جذبۂ غم کی خیر ہو ساغر
حسرتوں پر نکھار دیکھا ہے

۞ تفریق نے جادُو بھی جگایا ہے بَلا کا
خطرے میں ہے اے یار! چمن مہر و وفا کا

توہین ہے درویش کا اس شہر میں جینا
ہو فاقہ کشی نام جہاں صبر و رضا کا

اب تک کا تفکّر غمِ تقدیر کا چارہ
سینے میں پتہ رکھتے ہیں جو ارض و سَما کا

جی چاہتا ہے اے مرے افکار کی مُورت
ملبُوس بنا دُوں تجھے تاروں کی رِدا کا



محفوظ رہیں میرے گلستاں کی فضائیں
ہو قتلِ گل و لالہ تقاضا ہے صَبا کا

جلتے ہُوئے دیکھے وہی معصُوم شگوفے
تھا جن کو بھروسہ ترے دامن کی ہوا کا

کچھ سَرد سی آہیں ہی تو کچھ ڈوبتے آنسُو
ساغر یہ صِلہ تجھ کو مِلا سوزِ نوا کا

○

۸ تیرے دامن کی ہوا مانگتے ہیں
ہم بھی جینے کی دُعا مانگتے ہیں

مُطربو! کوئی اچھوتا نغمہ
ساز آہنگ و صدا مانگتے ہیں

صحنِ کعبہ کے پُجاری مچلے
آستینوں میں خُدا مانگتے ہیں

ماہ و انجم کے جھروکے اکثر
کِس کے عارض کی ضیا مانگتے ہیں



پھر پتنگوں میں خدائی جاگی
شعلۂ حشر نُما مانگتے ہیں

بندہ پَرور ! کوئی خیرات نہیں
ہم وفاؤں کا صِلہ مانگتے ہیں

مَے کدہ ہو کہ کلیسا ساغرؔ
ساری دُنیا کا بھلا مانگتے ہیں

○

ہے فغانِ لالہ وگُل مست نظّاروں کے ساتھ
بُجھ رہی ہے تشنگی پُھولوں کی انگاروں کے ساتھ

آئے گا شاید عزیزِ مصر بکنے کے لیے
آج خود یُوسف کو دیکھا ہے خریداروں کے ساتھ

ہر قدم پر زندگی کی آبرو خطرے میں ہے
ظلمتوں کے قافلے دیکھے ہیں مہ پاروں کے ساتھ

مُفلسوں پر ہنس رہی ہیں عظمتیں ابلیس کی
اور خدا کی رحمتیں منسوب زرداروں کے ساتھ

سَر برہنہ عابدہ کمخواب و ریشم کے بغیر
ناچتی ہے عاصمہ سکّوں کی جھنکاروں کے ساتھ

نغمۂ بُلبُل نہیں تو نالۂ دل ہی سہی
ملتے جلتے ہیں بیاباں بھی چمن زاروں کے ساتھ

○

ایک نغمہ، ایک تارا، ایک غنچہ، ایک جام
اے غمِ دوراں! غمِ دوراں تجھے میرا سلام

زُلف آوارہ، گریباں چاک، گھبرائی نظر
اِن دِنوں یہ ہے جہاں میں زندگانی کا نظام

چند تارے ٹوٹ کر دامن میں میرے آ گرے
مَیں نے پُوچھا تھا ستاروں سے ترے غم کا مقام

کہہ رہے ہیں چند بچھڑے رہرووں کے نقشِ پا
ہم کریں گے انقلابِ جستجو کا اہتمام

پڑ گئیں پیراہن صبحِ چمن پر سلوٹیں
یاد آ کر رہ گئی ہے بے خودی کی ایک شام

تیری عصمت ہو کہ ہو میرے ہنر کی چاندنی
وقت کے بازار میں ہر چیز کے لگتے ہیں دام

ہم بنائیں گے یہاں ساغر نئی تصویرِ شوق
ہم تخیل کے مجدد، ہم تصور کے امام



خون بادل سے برستے دیکھا
پھول کو شاخ پہ ڈستے دیکھا

کتنے بیدار خیالوں کو یہاں
دامِ اخلاص میں پھنستے دیکھا

دل کا گلشن کہ بیاباں ہی رہا
ایسا اجڑا کہ نہ بستے دیکھا

کھل گیا جن پہ مسرت کا بھرم
پھر کبھی ان کو نہ ہنستے دیکھا

اب کہاں اشکِ ندامت ساغر
آستینوں کو ترستے دیکھا

درد کے ماروں پہ ہنستا ہے زمانہ بے خبر
زخمِ ہستی کی کسک سے ہے نشانہ بے خبر

نگہتوں کے سائے میں ٹوٹے پڑے ہیں چند پھول
بجلیوں کی یورشوں سے آشیانہ بے خبر

حسنِ برہم کو نہیں حالِ پریشاں سے غرض
سازِ دل کی دھڑکنوں سے ہے زمانہ بے خبر

ہم قرارِ دل نہیں ہیں ہم نہیں آنکھوں کا نور
ہم سے آوارہ کا ہوتا ہے ٹھکانہ بے خبر

دونوں عالم وسعتِ آغوش کی تفسیر ہیں
دیکھنے میں ہے نگاہِ مجرمانہ بے خبر

آپ اپنے فن سے ناواقف ہے ساغر کی نظر
لعل و گوہر کی ضیاؤں سے خزانہ بے خبر

ہر موج ہے افسردہ تو مغموم ہیں دھارے
ایسے میں کوئی شورِ تلاطم کو پکارے

خود نکہتِ گل مجرمِ چمن میں تھی ملوّث
جب غور سے دیکھا تو نہ بجلی نہ شرارے

مائل بہ تغیر ہے یہاں فطرتِ بیتاب
بدنام ہیں ساقی کی نگاہوں کے اشارے

شاخوں پہ بکھرتے ہوئے گیسوئے پریشاں
منسوب ہیں ان سے بڑے الہام کے پارے

آئینِ مروّت وہی ترتیب کرے گا
جو اپنے لہُو سے رُخِ آلام نکھارے

شاید کہ نئی فصل کی تقدیر جگا دیں
یہ ہوش میں ڈوبے ہوئے مدہوش نظارے

جب تک مرے ساغر میں چھلکتی رہی صہ
احساس میں زندہ رہے یہ چاند ستارے



○

آہن کی سُرخ تال پہ ہم رقص کر گئے
تقدیر تیری چال پہ ہم رقص کر گئے

پنچھی بنے تو رفعتِ افلاک پر اُڑے
اہلِ زمیں کے حال پر ہم رقص کر گئے

کانٹوں سے احتجاج کیا ہے کچھ اس طرح
گلشن کی ڈال ڈال پہ ہم رقص کر گئے

واعظ! فریبِ شوق نے ہم کو لُبھا لیا
فردوس کے خیال پہ ہم رقص کر گئے

ہر اعتبارِ حُسنِ نظر سے گزر گئے
ہر حلقہ ہائے جال پہ ہم رقص کر گئے

مانگا بھی کیا تو قطرۂ چشمِ تصرّفات
ساغر ترے سوال پہ ہم رقص کر گئے

○

شعلے، آنچ، دُھواں اور آگ
ہائے مِرے گُلشن کے بھاگ

تیرے گھر میں سیپ اور موتی
میرا حِصّہ ریت اور جھاگ

آگ لگا دو دیدۂ دِل میں
گاؤ! گاؤ! دیپک راگ

کوئی نہ آیا، کوئی نہ آیا
روز منڈیرے بولا کاگ

زُلفِ تخیّل سے اے ساغر
کھیل رہے ہیں کالے ناگ



○

آلام کی یورش میں بھی خورسند رہے ہیں
نیرنگیٔ حالات کے پابند رہے ہیں

آفاق میں گُونجی ہے مِری شُعلہ نوائی
نالے مِرے افلاک کا پیوند رہے ہیں

ڈالی ہیں ترے خاک نشینوں نے کمندیں
ہر چند محلّات کے دَر بند رے ہیں

ہر دَور میں دیکھا ہے مِری فکرِ رسا نے
کُچھ لوگ زمانے کے خُداوند رہے ہیں

ساغر نہ مِلی منزلِ مقصود خرد کو
ہاں قافلہ سالار جنوں مند رہے ہیں

○

دِن کٹ گئے جنوں کے آلام کے سہارے
سب کام چل گئے ہیں اِک جام کے سہارے

بے چینیوں کی منزل، بے تابیوں کی راہیں
کیا ڈھونڈتا ہے اے دل آرام کے سہارے

حسرت سے دیکھتا ہُوں مجروح عِشرتوں کو
اِک صبح ہو رہی ہے اِک شام کے سہارے

اے سنگدل زمانے! رُودادِ عاشقی کا
آغاز کر دیا ہے انجام کے سہارے



مایوسیوں کی مے سے مخمور ہو گئے ہیں
ٹوٹے ہوئے سبُو ہیں اب کام کے سہارے

کعبہ کے پتھروں کی اک داستاں ہے یارو
تقدیرِ بندگی ہیں اصنام کے سہارے

کتنی تجلیوں سے گھر جل رہے ہیں ساغر
کتنی حقیقتیں ہیں اوہام کے سہارے

○

ترِے گیسوؤں کے سائے مِری زندگی کا عنواں
مِری شاعری فروزاں ترِے نام کے سہارے

○

بھنور آنے کو ہے اے اہلِ کشتی ناخدا چُن لیں
چٹانوں سے جو ٹکرائے وہ ساحل آشنا چُن لیں

زمانہ کہہ رہا ہے مَیں نئی کروٹ بدلتا ہُوں
انوکھی منزلیں ہیں کچھ نرالے رہنما چُن لیں

اگر شمس و قمر کی روشنی پر کُچھ اجارہ ہے
کِسی بے دَرد ماتھے سے کوئی تارِ ضیا چُن لیں

یقیناً اب عوامی عدل کی زنجیر چھنکے گی
یہ بہتر ہے کہ مُجرم خود ہی جُرموں کی سَزا چُن لیں

اسیری میں کریں حُسنِ گلستاں کی نگہبانی
قفس میں بیٹھ کر طائر ذرا رنگِ فضا چُن لیں

بگولے نکہتِ گل کے نمائندے کہاں ساغر
سُنیں جو بات پھُولوں کی وہ ہمرازِ صبا چُن لیں



متاعِ کوثر و زمزم کے پیمانے تری آنکھیں
فرشتوں کو بنا دیتی ہیں دیوانے تری آنکھیں

جہانِ رنگ و بُو اُلجھا ہُوا ہے اِنکے ڈوروں میں
لگی ہیں کاکُلِ تقدیر سُلجھانے تری آنکھیں

اشاروں سے دلوں کو چھیڑ کر اقرار کرتی ہیں
اُٹھاتی ہیں بہارِ نَو کے نذرانے تری آنکھیں

وہ دیوانے زمامِ لالہ و گُل تھام لیتے ہیں
جنہیں منسوب کر دیتی ہیں ویرانے تِری آنکھیں

شگوفوں کو شراروں کا مچلتا رُوپ دیتی ہیں
حقیقت کو بنا دیتی ہیں افسانے تیری آنکھیں

○

صحنِ کعبہ بھی یہیں ہے تو صنم خانے بھی
دل کی دنیا میں گلستاں بھی ہیں ویرانے بھی

لوگ کہتے ہیں اجارہ ہے ترے جلووں پر
اتنے ارزاں تو نہیں ہیں ترے دیوانے بھی

آتشِ عشق میں پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
مجرمِ سوزِ وفا شمع بھی پروانے بھی

کچھ فسانوں میں حقیقت کی جھلک ہوتی ہے
کچھ حقیقت سے بنا لیتے ہیں افسانے بھی

میرے اشعار ہیں تصویرِ تمنا ساغر
ان کی آغوش میں ہیں درد کے افسانے بھی



○

سکوتِ غم سے جو گزرے نہ پھر ملی آواز
یہیں کہیں انہی گلیوں میں کھو گئی آواز

یہ کہکشاں مرے نغمات کی لڑی یارو
کرن کرن کی سماعت میں ہے مری آواز

بہت دنوں سے ہے پامال دِل کا ہر غنچہ
میں منتظر ہوں کوئی آئے شبنمی آواز

نہ چھیڑ عذرِ محبت کی داستاں اے دوست
کہ بزمِ عشق میں ہوتی ہے خامشی آواز

مَیں خود نگر ہُوں کسی موڑ پر نہ ٹھہروں گا
ازل سے دیتی رہی مجھ کو زندگی آواز

شبِ فراق کوئی گنگنا کے گزُرا ہے
کہ بن گئی ہے ستاروں کی روشنی آواز

خدا کرے کہ ستاروں کو چُھو سکے ساغؔر
سُرودِ زیست کے پردوں میں ڈوبتی آواز



○

جب سے دیکھا پَری جمالوں کو
مَوت سی آ گئی خیالوں کو

دیکھ تشنہ لبی کی بات نہ کر
آگ لگ جائے گی پیالوں کو

پھر اُفق سے کِسی نے دیکھا ہے
مُسکرا کر خراب حالوں کو

فیض پہنچا ہے بارہا ساقی
تیرے مَستوں سے اِن شوالوں کو

دونوں عالم پہ سرفرازی کا
ناز ہے تیرے پائمالوں کو

اِس اندھیروں کے عہد میں ساغؔر
کیا کرے گا کوئی اُجالوں کو

○

پھول کی پنکھڑی ! سَرِ راہے
بوند اِک خون کی ! سَرِ راہے

منزلِ آرزو کہاں آئی
آنکھ اُن سے لڑی! سَرِ راہے

آپ گزرے کہ جُوئے مے گزری
مِٹ گئی تِشنگی ! سَرِ راہے

جانے پتھر کِدھر سے آیا تھا
چوٹ دل پر لگی ! سَرِ راہے

اے سَمن بار کھڑکیوں والو
جھانک لینا کبھی ! سَرِ راہے

بَن گئیں آج حسرتیں ساغر
مجمعِ بے کسی ! سَرِ راہے



○

مِٹ گئیں روشنی میں تحریریں
جَل گئیں چاندنی میں تصویریں

ہائے وہ تیرے عنبریں گیسُو
لے اُڑے زندگی کی تفسیریں

سُرخ کنگن کلائیوں میں ہلے
ہِل گئیں دو جہاں کی تقدیریں

رسمِ فرہاد پھر کریں زندہ
آؤ پھر پتھروں کے دِل چیریں

اے مریضِ الم ! تسلّی رکھ
چارہ گر کر رہے ہیں تدبیریں

ہاں اُچھالو حیات کے ساغر
صبحِ محشر میں اور تاخیریں

کُچھ حرفِ التجا تھے دُعاؤں سے ڈر گئے
اَرمان بندگی کے خداؤں سے ڈر گئے

اَب کون دیکھتا ہے ترے شمس کی طرف
سُورج مُکھی کے پُھول شعاعوں سے ڈر گئے

ہنس کر جو جھیلتے تھے زمانے کی تلخیا
اے چشمِ یار تیری اداؤں سے ڈر گ

رنگیں فضا میں جل گئیں خاموش تتلیا
آنچل اُڑے تو پُھول ہواؤں سے ڈر گ



آہوں کو اعتبارِ سماعت سمجھ لیا
نغموں کی بے قرار صداؤں سے ڈر گئے

ساقی نے مُسکرا کے گلے سے لگا لیے
وہ آدمی جو اپنی خطاؤں سے ڈر گئے

تشنہ لبی نے ساغر و مینا کو ڈس لیا
زُلفوں کی مَست مَست گھٹاؤں سے ڈر گئے

○

دِل مِلا اور غم شناس مِلا
پھُول کو آگ کا لباس مِلا

ہر شناور بھنور میں ڈُوبا تھا
جو ستارہ مِلا اُداس مِلا

مَے کدے کے سِوا ہمارا پتہ
تیری زُلفوں کے آس پاس مِلا

مُجھ کو تقدیر کی گزرگہ میں
صرف تدبیر کا ہراس مِلا

آبِ رضواں کی دُھوم تھی ساغرؔ
سادہ پانی کا اک گلاس مِلا

چھُپائے دل میں غموں کا جہان بیٹھے ہیں
تمہاری بزم میں ہم بے زبان بیٹھے ہیں

یہ اور بات کہ منزل پہ ہم پہنچ نہ سکے
مگر یہ کم ہے کہ راہوں کو چھان بیٹھے ہیں

فغاں ہے، درد ہے، سوز و فراق و داغِ الم
ابھی تو گھر میں بہت مہربان بیٹھے ہیں

اب اور گردشِ تقدیر کیا ستائے گی
لُٹا کے عِشق میں نام و نشان بیٹھے ہیں

وہ ایک لفظِ محبت ہی دل کا دُشمن ہے
جسے شریعتِ احساس مان بیٹھے ہیں

ہے میکدے کی بہاروں سے دوستی ساغرؔ
ورائے حدِّ یقین و گمان بیٹھے ہیں

○

نگر نگر میں پھیرا اپنا
کہیں نہیں ہے ڈیرا اپنا

گلی گلی میں آنا جانا
دو قدموں کا تانا بانا

چلتے جائیں بُنتے جائیں
پھول اور پتھر چُنتے جائیں

بجلی ہے رفتار ہماری
منزل ہے اس پار ہماری



کوئی نہیں ہے دشمن اپنا
صحرا اپنا گلشن اپنا

خاکِ زمانہ چھان چکے ہیں
دُنیا کو پہچان چکے ہیں

ہر کوچے میں صدا لگائیں
گزریں اور گزرتے جائیں

اپنا ہو یا غیر ہو بابا
دل والوں کی خیر ہو باباؔ

مول اگر بِک جائے ہستی
جنسِ محبت پھر بھی سستی

میں بھی چُپ ہُوں تو بھی چُپ ہے
دُنیا ہے پھر کس کی بستی

مَست خلا میں میرے سَجدے
کرتا ہُوں آفاق پرستی

درد میں جینا اپنی ہمّت
آگ میں جلنا کِس کی ہستی



اپنی بادہ خُونِ وفا ہے
اپنی بوتل فاقہ مستی

چہروں کو بدنام نہ کر دے
آئینوں کی چیرہ دستی

کون بُلندی سے ٹکرایا
چیخ اُٹھی ہے ساغر پستی

○

پھول مَسلیں تو انہیں نغمہ و جھنکار مِلیں
مَیں نے کانٹے تو نہیں بوئے کہ انگار مِلیں

آنکھ لرزاں ہے سرِ محفلِ ہستی اے دوست
اِن کی چلمن کے قریں تشنۂ دیدار مِلیں

اُس کو ادراک کی پُر نُور زباں کہتے ہیں
جس میں انسان کی تعظیم کے اطوار مِلیں

ایسی مجروح تمنّا ہی صلیبِ غم ہے
جس کو غنچے بھی بہاروں میں گرفتار مِلیں

خونِ دل شرط ہے اے یارِ بصیرت کے لیے
یہ بھی ممکن ہے کہ صحراؤں میں گلزار مِلیں

حیف اُس چارہ گرِ وقت کی قسمت ساغر
جس کو ہر گام پہ تقدیر کے بیمار مِلیں



○

نکلے صَدف کی آنکھ سے موتی مرے ہوئے
پھوٹے ہیں چاندنی میں شگوفے جلے ہوئے

ہے اہتمامِ گریہ و ماتم چمن چمن
رکھے ہیں مقتلوں میں جنازے سجے ہوئے

ہر ایک سنگِ میل ہے اب تنگِ رہگذر
ہیں رہبروں کی عقل پہ پتھر پڑے ہوئے

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

اب میکدے میں بھی نہیں کچھ اہتمامِ کیف
ویران ہیں شعور تو دِل ہیں بجھے ہوئے

ساغر یہ واردات بھی کتنی عجیب ہے
نغمہ طرازِ شوق ہُوں، لب ہیں سِلے ہوئے

○

یقین کر کہ یہ کہنہ نظام بدلے گا
ترا شعور مزاجِ عوام بدلے گا

یہ کہہ رہی ہیں فضائیں بہارِ ہستی کی
نیا طریقِ قفس اور دام بدلے گا

نفس نفس میں شرارے سے کروٹیں لیں گے
دلوں میں جذبۂ محشر خرام بدلے گا

مُروّتوں کے جنازے اُٹھائے جائیں گے
سُنا ہے ذوقِ سلام و پیام بدلے گا

دل و نظر کو عطا ہوں گی مستیاں ساغرؔ
یہ بزمِ ساقی، یہ بادہ، یہ جام بدلے گا



○

کاروبارِ وفا کا نام نہ لو
آدمی کی سزا کا نام نہ لو

راہزن شرمسار سے ہوں گے
رہبر و رہنما کا نام نہ لو

ڈوب جاتی ہیں کشتیاں اکثر
کیا ہُوا ناخدا کا نام نہ لو

کس نے توڑا ہے کاسۂ مجنوں
ان کے دستِ سخا کا نام نہ لو

کون چپکے سے پی کے گزرا ہے
زاہدِ پارسا کا نام نہ لو

رنگ اُڑ جائے گا شگوفوں کا
اعتبارِ صبا کا نام نہ لو

ذوقِ انسان کی مفلسی ساغرؔ
کہہ رہی ہے خدا کا نام نہ لو



○

جل رہا ہے چراغِ تنہائی
توسنِ زندگی کہاں آئی

میرے نغموں میں ڈوب جاتی ہے
فیضؔ اور قاسمیؔ کی شہنائی

وہ فنا کی حدُود سے گزرا
جس نے ٹھوکر حیات کی کھائی

میں شرارہ نہیں ستارہ ہُوں
میں نے ذرّوں کی زلف سُلجھائی

دیکھ کر زرد کونپلیں ساغرؔ
موسمِ گُل کی بات یاد آئی

○

مضمحل دردِ غم ہے بے چارہ
پھر مُجھے زندگی نے للکارا

سلطنت ہے قناعتِ درویش
ہر نفس ہے سکندر و دارا

داغ ہیں گلُ چمن کے سینے پر
اشک افشاں ہے چشمِ نظارہ

کاش تکمیلِ آرزو کے لیے
پھر میسّر ہو ذوقِ آوارہ

ہیں ضیاؤں کی بخششیں ساغؔر
ذرّہ ذرّہ ہے آج مہ پارہ



○

آزادیوں کے نام پہ رُسوائیاں مِلیں
مشکل سے تیرے درد کی پہنائیاں مِلیں

ساقی نے جھوٹ بولا ہے فصلِ بہار کا
گلشن میں صرف آگ کی انگڑائیاں مِلیں

مُجھ کو مِلے ہیں قریۂ مہتاب میں گڑھے
تجھ کو تو پتھروں میں بھی رعنائیاں مِلیں

ہم نے انہیں کو صُورتِ جاناں بنا لیا
دیوارِ آرزُو پہ جو پرچھائیاں مِلیں

اُن پر نثار محفلِ ہستی کی رونقیں
اے دوست! میکدے میں جو تنہائیاں مِلیں

ہر تجربے! میں ساغؔرِ مے کا جواز ہے
ہر فلسفے میں زُلف کی گہرائیاں مِلیں

○

بازارِ آرزو کی نوا' دام چڑھ گئے
ہر چیز قیمتوں سے سِوا دام چڑھ گئے

ہے غازۂ بہار سے محروم اِن دِنوں
مخمور گیسوؤں کی گھٹا' دام چڑھ گئے

اب قرض سے بحال ہو مشکل سے دوستو!
کہتی ہے میکدے کی فضا' دام چڑھ گئے

بے خون سُرخ سُرخ لبوں کی فصاحتیں
ہیں نکہتوں سے رنگ خفا' دام چڑھ گئے



ہر ماہ لُٹ رہی ہے غریبوں کی آبرو
چڑھنے لگا ہلالِ قضا' دام چڑھ گئے

اے وقت مُجھ کو غیرتِ انساں کی بھیک دے
روٹی میں بِک گئی ہے رِدا' دام چڑھ گئے

اے احتسابِ زیست کی لٹکی ہوئی صلیب
ہر روز جیسے روزِ جزا دام چڑھ گئے

نقدِ خرد سُرورِ تمنّا کا مول ہے
ارماں کا رنگ زرد ہوا' دام چڑھ گئے

چمن پہ دام پہ درویش مُسکراتا ہے
ہر اِک مقام پہ درویش مُسکراتا ہے

صُراحی بزم میں جب قہقہے اُگلتی ہے
سکُوتِ جام پہ درویش مُسکراتا ہے

ہزار حشر اُٹھا اے تغیرِ دُنیا
ترے خرام پہ درویش مُسکراتا ہے

شفق میں خونِ شہیداں کا رنگ شامل ہے
فروغِ شام پہ درویش مُسکراتا ہے

کبھی خُدا سے شکایت کبھی گلہ خود سے
مذاقِ عام پہ درویش مُسکراتا ہے

ہوس مشیر ہو جس بادشاہ کی ساغر
تو اِس غلام پہ درویش مُسکراتا ہے



جگر کے زخم جاگے ایک شامِ نو بہار آئی
نہ جانے تیری گلیوں سے فضائے مشکبار آئی

اسیروں نے نئی دُھن میں کوئی فریاد چھیڑی ہے
شگوفے مُسکرائے اِک صدائے کیف بار آئی

ہے گردِ کارواں کی گود میں شاید کوئی منزل
سُنو اے رہنماؤ! اک نویدِ لالہ زار آئی

کِسی رندِ جہاں کش نے کوئی پیمانہ توڑا ہے
تمناؤں کے گلزاروں میں اِک صوتِ ہزار آئی

جبینِ عشق نے سجدے کیے تقدیسِ اُلفت کے
چمن میں رقص فرماتی ہوئی موج خُمار آئی

شگفتہ کِس قدر مجموعۂ اشعارِ ساغر ہے
صبا لے کر چمن میں جیسے پیغامِ قرار آئی

خیال ہے کہ بجھا دو یہ روشنی کے چراغ
کہ مستیوں نے جلائے ہیں بیخودی کے چراغ

چلو نگاہ کی مشعل کو ساتھ لے کے چلیں
فرازِ شوق پہ روشن ہیں آگہی کے چراغ

روش روش پہ ہراساں ہیں چاند کی کرنیں
قدم قدم پہ سُلگتے ہیں بیکسی کے چراغ

مچل رہے ہیں بہت سانپ آستینوں میں
بھڑک رہے ہیں ابھی شامِ راستی کے چراغ

چمک رہی ہے لڑی موتیوں کے سینے پہ
جلائے کس نے یہ گلہائے شبنمی کے چراغ

اُچھال ساغرِ مے دل بحال ہوں ساقی
کہ روشنی کو ترستے ہیں زندگی کے چراغ



گُل کو شبنم سے آگ لگ جائے
مَوج کو رَم سے آگ لگ جائے

بزمِ تقدیس کی فضاؤں میں
حسن برہم سے آگ لگ جائے

ایسے زخموں کو کیا کرے کوئی
جن کو مرہم سے آگ لگ جائے

کاش! اے زندگی کی رقاصہ
تیری چھم چھم سے آگ لگ جائے

دِل کی بے تاب آہٹوں میں ندیم
زُلفِ برہم سے آگ لگ جائے

چاندنی کے سُہاگ میں ساغر
چشمِ پُرنم سے آگ لگ جائے

کلیوں کی مہک ہوتا تاروں کی ضیا ہوتا
میں بھی ترے گلشن میں پھولوں کا خدا ہوتا

ہر چیز زمانے کی آئینہ دل ہوتی
خاموش محبت کا اتنا تو صِلہ ہوتا

تم حالِ پریشاں کی پُرسش کے لیے آتے
صحرائے تمنّا میں میلہ سا لگا ہوتا

ہر گام پہ کام آتے زلفوں کے تری سائے
یہ قافلۂ ہستی بے راہنما ہوتا

احساس کی ڈالی پر اِک پھول مہکتا ہے
زُلفوں کے لیے تم نے اِک روز چُنا ہوتا



○

تیری نظر کا رنگ بہانوں نے لے لیا
افسردگی کا رُوپ ترانوں نے لے لیا

جس کو بھری بہار میں غنچے نہ کہہ سکے
وہ واقعہ بھی میرے فسانوں نے لے لیا

شاید مِلے گا قریۂ مہتاب میں سکوں
اہلِ خِرد کو ایسے گمانوں نے لے لیا

یزداں سے بچ رہا تھا جلالت کا ایک لفظ
اس کو حرم کے شوخ بیانوں نے لے لیا

تیری اَدا سے ہو نہ سکا جس کا فیصلہ
وہ زندگی کا رَاز نِشانوں نے لے لیا

افسانۂ حیات کی تکمیل ہو گئی
اپنوں نے لے لیا کہ بگانوں نے لے لیا

بھولی نہیں وہ قوسِ قزح کی سی صُورتیں
ساغرؔ تمہیں تو مَست دھیانوں نے لے لیا



○

گدا قناعت کو بیچتے ہیں
خدا کی دولت کو بیچتے ہیں

یہ حُسن والے قدم قدم پر
قرار و راحت کو بیچتے ہیں

عجیب ہیں باغباں چمن کے
گُلوں کی نِکہت کو بیچتے ہیں

وطن میں ایسے بھی رہنما ہیں
مئے قیادت کو بیچتے ہیں

یہ واعظ و پارسا خُدایا
تری فضیلت کو بیچتے ہیں

خِرد کا لیتے ہیں نام ساغرؔ
جنوں کی عظمت کو بیچتے ہیں

○

یہ جو شام و سَحر کا میلہ ہے
سب تمہاری نظر کا میلہ ہے

بہتے دریا کی مَوج سے پُوچھو
عاشقیِ چشمِ تر کا مَیلہ ہے

میرے برباد آشیاں کو نہ دیکھ
یہ بہاروں کے گھر کا میلہ ہے

پھر ملیں گے اگر بہار آئی
زندگی رہگذر کا میلہ ہے



چاندنی میں قرار دِل نہ لُٹا
چاندنی رات بھر کا میلہ ہے

جَل چکی شاخِ آشیاں اے دوست
پھر بھی برق و شرر کا میلہ ہے

کشتیِ ماہ میں چلو ساغرؔ
آج راوی نگر کا میلہ ہے

○

اُچھال جام کہ تسخیرِ کائنات کریں
بکھیر زُلف کہ تنظیمِ حادثات کریں

شکستِ بازیٔ دوراں ہے ایک جُرعۂ مے
چلو کہ بازیٔ دوراں کو آج مات کریں

بُجھا چراغِ نظر لُٹ چکی ہے بزمِ حیات
چلو کہ صبح کے تارے سے کوئی بات کریں

روش روش پہ سجائیں سخن کے گلدستے
بہارِ فکر سے تزئینِ کائنات کریں

وہ جن کو خوف ہو گردابِ وقت سے ساغر
وہ اپنی ناؤ سپردِ غمِ حیات کریں



○

تدبیر کا کاسہ ہے تقدیر گداگر ہے
ایوانِ سخاوت کی تعمیر گداگر ہے

سو رنگ بھرے اس میں پھر بھی یہ رہی مُورت
احساسِ مصوّر میں تصویر گداگر ہے

حالات کے دامن میں افلاس تغیر ہے
اس دور میں انساں کی توقیر گداگر ہے

اب شہرِ بصیرت کی اُونچی ہوئیں دیواریں
چڑھتے ہوئے سُورج کی تنویر گداگر ہے

ہر داغِ تمنا ہے کشکولِ غمِ ہستی
آہوں سے شکایت ہے تاثیر گداگر ہے

جھنکار کی ہر صُورت دریوزۂ نغمہ ہے
ساغر درِ زنداں پر زنجیر گداگر ہے

○

جو حادثے یہ جہاں میرے نام کرتا ہے
بڑے خلوص سے دِل نذرِ جام کرتا ہے

ہمیں سے قوسِ قزح کو ملی ہے رنگینی
ہمارے در پہ زمانہ قیام کرتا ہے

ہمارے چاکِ گریباں سے کھیلنے والو
ہمیں بہار کا سُورج سلام کرتا ہے

یہ میکدہ ہے، یہاں کی ہر ایک شے کا حضور!
غمِ حیات بہت احترام کرتا ہے

فقیہہِ شہر نے تُہمت لگائی ساغر پر
یہ شخص دَرد کی دولت کو عام کرتا ہے



یہ جو دیوانے سے دو چار نظر آتے ہیں
اِن میں کُچھ صاحبِ اسرار نظر آتے ہیں

تری محفل کا بھرم رکھتے ہیں، سو جاتے ہیں
ورنہ یہ لوگ تو بیدار نظر آتے ہیں

دُور تک کوئی ستارہ ہے نہ کوئی جگنو
مرگِ اُمید کے آثار نظر آتے ہیں

میرے دامن میں شراروں کے سِوا کُچھ بھی نہیں
آپ پھُولوں کے خریدار نظر آتے ہیں

کل جنہیں چھُو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونقِ بازار نظر آتے ہیں

حشر میں کون گواہی مری دے گا ساغر
سب تمہارے ہی طرف دار نظر آتے ہیں

○

چمن چمن، کلی کلی، روش روش پکار دو
وطن کو سرفروش دو، وطن کو جاں نثار دو

جو اپنے غیضِ بے کراں سے کوہسار پیس دیں
جو آسماں کو چیر دیں ہمیں وہ شہسوار دو

یہی ہے عظمتوں کا اِک اصولِ جاوداں حضور
امیر کو شجاعتیں، غریب کو وقار دو

نظر نظر میں موجزن تجلیوں کے قافلے
وہ جذبۂ حیاتِ نو بشر بشر اُبھار دو



شعور کے لباس میں صداقتیں ہیں منتظر
خلوص و اعتبار کے جہان کو نکھار دو

تصوّراتِ زندگی کو پھر لہُو کا رنگ دیں
چلو! جنوں کی وُسعتوں پہ دانشوں کو وار دو

فضائیں جس کی نکہتوں سے ہوں وقارِ گلستاں
تو ایسے ایسے پھُول کو ستارۂ بہار دو

جو چشم و دل کے ساتھ ساتھ میکدے کو پھونک دے
مجھے خدا کے واسطے وہ جامِ پُرسرار دو

چھلک رہا ہے خلوتوں میں ساغرِ مشاہدات
اُٹھو، سخنورو! زمیں پہ کہکشاں اُتار دو

# نظمیں



## میرے وطن

ردوس ہیں تیرے کوہ و دمن     زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
لتے ہے تن تجھ پہ قرباں ہے مَن     زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
دریاؤں میں ہیں سفینے رواں     اے مقامِ جہانگیر و نُور جہاں
قریہ ہے گلستاں بوستاں     تیرے کانٹے بھی ہیں مجھ کو غُنچہ دہن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
چک اور گاؤں اِرم زاد ہیں     کھیتیاں آسمانوں کی بنیاد ہیں
دیہات تقدیس آباد ہیں     تیرے نغمے نئے اور ساز کہن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
لاہور ہے تجھ میں ملتان ہے     تو کہ وارث کا روشن قلم دان ہے
پٹھانوں کا قرآن ہے     تو کہ ایمان کے چاند کی ہے کرن
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن

تیری آغوش میں ہے قلندر کا در　　تیری مٹی میں پنہاں
تو نے دیکھے ہیں داتا سے اہلِ نظر　　تو کہ سُلطان باہو کی
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن
تو ہے خیبر کے در کا امیں اے وطن　　کام تیرا ستارہ جبیں
کوئی دنیا میں تجھ سا نہیں اے وطن　　تیرے ذرّے بھی ہیں مجھ
زندہ باد اے وطن زندہ باد اے وطن



Meray watan k rehnumaao.

## میرے وطن کے راہنماؤ

میرے وطن کے راہنماؤ!　　اِک ایسا آئین بناؤ!
جس میں ہو صدیقؓ کی عظمت　　جس میں ہو عثمانؓ کی عقیدت
جس میں ہو فاروقؓ کی جرأت　　جس میں ہو حیدرؓ کی شجاعت
مٹ جائیں ظلمات کے گھاؤ!　　اِک ایسا آئین بناؤ

طارقؒ کی تدبیر ہو جس میں　　خالدؓ کی تقدیر ہو جس میں
مجنوںؒ کی زنجیر ہو جس میں　　قرآں کی تاثیر ہو جس میں
مِلّت کے جذبات جگاؤ　　اِک ایسا آئین بناؤ

عقل و خرد کی آنکھ کا تارا　　طوفاں میں مضبوط کنارا
مفلس اور نادار کا پیارا　　جہد و عمل کا بہتا دھارا
فکر و نظر کی شمع جلاؤ　　اِک ایسا آئین بناؤ

ر توڑے جو مغروروں کا    ساتھی ہو جو مجبوروں کا !
ِ ستم کے منصوروں کا    محکوموں کا مجبوروں کا !
ل نہ سکے زردار کا داؤ    اِک ایسا آئین بناؤ

رمتِ انساں کام ہو جس کا    فیضِ سخاوت عام ہو جس کا
م فقط اسلام ہو جس کا    شانِ سلف پیغام ہو جس کا
ت کے پرچم کو لہراؤ    اِک ایسا آئین بناؤ



## ترانہ

سرفروشو! جیو جاں نثارو    جبینِ وطن کے چمکتے ستارو
ا ہے تمہیں شہرتِ جاودانہ    شجاعت کی دُنیا میں تم ہو یگانہ
ِ سنگ و آہن کے تسخیر کارو    جیو سرفروشو! جیو جاں نثارو

ا نے سکھائی تمہیں رزم گاہی    تمہی موجِ توحید کے ہو سپاہی
ایاتِ اسلام کے شاہ پارو    جیو سرفروشو! جیو جاں نثارو

ہانِ ناموسِ حیدرؓ تمہی ہو    سرِ بحرِ ہستی شناور تمہی ہو
ستانِ مِلّت کی ہنستی بہارو    جیو سرفروشو! جیو جاں نثارو

ی سے ہے بیدار اُلفت وطن میں    تمہی سے ہے آباد جنت وطن میں
نا کی حقیقت کے پروردگارو    جیو سرفروشو! جیو جاں نثارو

# ترانہ

الجہاد و الجہاد و الجہاد و الجہاد
کامیاب و کامگار و کامران و بامُراد
جاگ اُٹھا ہے اخوت اور فراست کا نظام
عظمتِ افلاک سے ارضِ وطن ہے ہم کلام
وادیٔ کشمیر سے آئی صدائے انتقام
پھونک دو سوزِ عمل سے ظلم کے ناموس و ناد

الجہاد و الجہاد و الجہاد و الجہاد

بڑھ چلیں جو روستم بیداد کی من مانیاں!
ہم نہ ہونے دیں گے گلشن پر شرر افشانیاں
ہم عدم کی جستجو ہم سے ازل سامانیاں
ہم کو رکھے گی نوشتہ کی طرح تاریخ یاد

الجہاد و الجہاد و الجہاد و الجہاد

اے فضاؤں کے دلیرو! فاتحانِ بحر و بَر
جن کے بازو جن کے چہرے غیرتِ شمس و قمر
رزمِ گاہ کربلا پھر ہے تمہاری منتظر
دستِ حیدرؓ کو ملی اللہ سے تحسین و داد

الجہاد و الجہاد و الجہاد و الجہاد



# ترانہ

انتخابِ آرزو ہیں فتح و نُصرت کے چراغ
ہیں فروزاں خونِ دل سے ملک و ملت کے چراغ

پھر بنامِ طارقؓ و خالدؓ ذرا روشن کریں
ظلمتوں کی آندھیوں میں عزم و جرأت کے چراغ

اِن میں مضمر ہے تجلّی جلوہ گاہِ بدر کی
بُجھ نہیں سکتے کبھی راہِ شجاعت کے چراغ

جھلملاتی ہیں صدائیں جگمگاتی ہے فضا
غیرتِ شمس و قمر ہیں اپنی ہمت کے چراغ

مُسکراتے ہی رہیں گے گُلشنِ توحید میں
اپنی سطوت کے شگوفے اپنی عظمت کے چراغ

ہم نے ساغرؔ وقت کی تاریخ کو زندہ کیا
راہِ انساں میں جلائے ہم نے خدمت کے چراغ

## آئین بنایا جائے گا

سُنتا ہوں وطن کا اِک ایسا آئین بنایا جائے گا
دُکھ درد کے مارے لوگوں کی قسمت کو جگایا جائے گا

پھولوں کی طبیعت بدلے گی، شاخوں پہ ترانے مہکیں گے
احساسِ نظر کی دولت کو ذرّوں میں لٹایا جائے گا

پُر نُور جبینوں کی خاطر پابند حیا ہو جائے گا
عرفانِ صداقت کی ضو کو سینوں میں بسایا جائے گا

مجروحِ سکوں صحراؤں میں سچ مچ کے شگوفے جاگیں گے
محبوسِ تلاطم ناؤ کو ساحل سے لگایا جائے گا

کہتے ہیں کہ جس کے پینے سے سرشار معیشت ہوتی ہے
وہ جامِ تمنّا ہونٹوں سے ہنس ہنس کے لگایا جائے گا



## پاکستان کے سیاستدان

گرانی کی زنجیر پاؤں میں ہے
وطن کا مقدّر گھٹاؤں میں ہے

اطاعت پہ ہے جبر کی پہرہ داری
قیادت کے ملبوس میں ہے شکاری

سیاست کے پھندے لگائے ہوئے ہیں
یہ روٹی کے دھندے جمائے ہوئے ہیں

یہ ہنس کر لہُو قوم کو چُوستے ہیں
خدا کی جگہ خواہشیں پُوجتے ہیں

یہ ڈالر میں آئین کو تولتے ہیں
سرائے کے لہجے میں یہ بولتے ہیں

ہے غارت گری اہلِ ایماں کا شیوہ
بھلایا شیاطیں نے قرآں کا شیوہ

اُٹھو نوجوانو ! وطن کو بچاؤ
شراروں سے حدِ چمن کو بچاؤ



## پاکستان کے تئیس سال

چکے ہیں تئیس سال    گونگا ماضی اندھا حال
ے پنچھی ٹوٹی ڈال    پھیلے ہیں انجانے جال
بیت چکے ہیں تئیس سال

سے خالی ہے دستور    جہد و عمل کی منزل دور
قیادت ہے بے نور    گلشن میں پھولوں کا کال
بیت چکے ہیں تئیس سال

و فراستُ ہیں بیمار    فکر و نظر وائے بیکار
وحشت ہے بیدار    لرزاں ہے ہمت کی ڈھال
بیت چکے ہیں تئیس سال

ہیں ہم پر اغیار    بھولے طارق اور ضرارؓ
وحدت سے سرشار    مِلّت کی عظمت کے لال
بیت چکے ہیں تئیس سال

اپنے سفینے آپ جلاؤ سینوں میں اِک آگ
دینِ محمّد کے شیداؤ گہری ہے ظلمت کی
بیت چکے ہیں تئیس سال

ساغر کو دیکھا تو ہو گا آپ ہی اپنے غم پہ
ابھی ابھی تھا راہ سے گزرا بکھرے بکھرے اُلجھے
بیت چکے ہیں تئیس سال



## زخمی مُجاہد کی اِلتجا

خالدؓ و ضرارؓ کے جذبات سے سرشار ہُوں
کفر و باطل کے لیے فولاد کی دیوار ہُوں
مَیں ہُوں خنجر کی چمک، میں تیغ کی جھنکار ہُوں
مَیں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہُوں

کوئی للکارے مری غیرت کو ہے کِس میں مجال
میرا سِینہ، میرے بازو سنگ و آہن کی مثال
مَیں ہُوں دُنیا میں امینِ پرچمِ نجم و ہلال
جانبِ ظلمات اِک توحید کی یلغار ہُوں
میں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہُوں

مَیں نے صحراؤں میں تپتی ریت کو ٹھنڈا کیا
مَیں نے درسِ فصلِ گُل دشت و بیاباں کو دیا
فرض کی مَے کو شجاعت کے پیالے میں پیا
مَیں مُسلماں قوم کا اِک فردِ شعلہ بار ہُوں!
مَیں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہُوں

فاتح تاریخ عالم غازیٔ اِسلام ہُوں
وارثِ تنظیمِ آدم غازیٔ اِسلام ہُوں
خادمِ شبیرؓ و قاسمؒ غازیٔ اِسلام ہُوں
سامراجیت کے سَر پر گوُنجتی تلوار ہُوں
میں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہُوں

دشمنِ دیں کو رعونت کا چکھانا ہے مَزا
بُزدلوں کو کارِ ذلّت کا چکھانا ہے مَزا
ظالموں کو اِن کی فطرت کا چکھانا ہے مَزا
مَیں جہاں میں آپ اپنے وقت کا مختار ہُوں
مَیں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہُوں

زخم ہیں میرے لیے غُنچے، مرے گھاؤ ہیں پھُول
چوٹ کھا کر مُسکرانا میری فطرت کا اصول
مُلک وملّت کے لیے جامِ شہادت ہے قبول
مَیں فضائے آتشیں میں صُورتِ گُلزار ہُوں
مَیں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہُوں

پھر مجھے جنت بلاتی ہے اجازت دیجیے
یہ گھڑی قسمت سے آتی ہے اجازت دیجیے
دل کی دھڑکن مسکراتی ہے اجازت دیجیے
مَیں حصارِ وقت میں اِک جاگتا کردار ہُوں
مَیں محاذِ جنگ پر جانے کو پھر تیار ہُوں



## عزیز بھٹی شہید

یہ مزارِ عزیز بھٹی ہے
اس پہ رحمت سدا برستی ہے

ذرّہ ذرّہ ہے سجدہ گاہِ وفا
خاکِ مَرقد تجلیوں کی ردا

لَوحِ تُربت شجاعتوں کی سند
گوشۂ خُلد گُل بدوش لحد

حورو غِلماں دُعائیں پڑھتے ہیں
باغِ جنت کے پھُول چڑھتے ہیں

شانِ بازوئے حیدریؓ کا چلن
مُلک و ملّت کے جاں نثار سجن

کُفر و باطل کی توڑ کر یلغار
دے گیا ایک منزلِ بیدار

اس کی سرشار جُرأتوں کو سلام
اس کی بیدار عظمتوں کو سلام



## عزیز بھٹی شہید کے بیٹے کے نام

پھُول گلشن میں کھِلیں تیری لطافت کے لیے
مُسکرائے چاندنی تیری محبت کے لیے

تو نہالِ سرفروشی کا درخشندہ ثمر
جگمگائے بزمِ ہستی تیری عظمت کے لیے

ہر طلوعِ صُبحِ نَو تیرے ہمکنے کی ادا
تُو ہو اِک روشن ستارہ شام ظلمت کے لیے

اے کہ فرزندِ شجاعت' غنچۂ فصلِ بہار
تیرے ہونٹوں کی ہنسی مُحسن ہو فطرت کے لیے

تیرا ملکوتی تبسّم! آبروئے انتقام!
تیری غوں غوں رِجز ہو اِک قوم و ملّت کے لیے

تیرے ننھے ننھے بازو تیرے ننھے ننھے ہاتھ
ہوں سدا پرچم کُشا انساں کی عظمت کے لیے

## ۶ستمبر کے گمنام شہید

چھ ستمبر کے شہید  فتح و نُصرت کی نوید
اِک جہانِ آرزُو  اِک نشانِ آرزُو
پردۂ عثمانؓ تم  صدیقؓ کا ایمان تم
تم عُمرؓ کا ولولہ  اور علیؓ کا غلغلہ
تم ہو شمشیرِ حُسینؓ  تم ہو تفسیرِ حسینؓ
تم وطن کے پاسباں  کامیاب و کامراں
تم رسالتؐ کے چراغ  تم قیادت کے ایاغ
صبحِ بطحا کی کرن  نازشِ قوم و وطن
قوم کے لختِ جگر  فاتحانِ بحر و بَر
کوہ سے ٹکرا گئے  ظلمتوں پر چھا گئے
صحنِ کعبہ کی صَدا  کلمہ قرآں کی رِدا
سبز گنبد کی بہار  عظمتوں کے شاہکار

راستے فردوس کے
تم نے روشن کر دیئے



## سرورِ شہید

بج رہا تھا نیند کا دل کش رُباب
سج گیا اِک آن میں ایوانِ خواب

جگمگاتی ہے تقدس کی بہار
دیکھتا کیا ہُوں فرشتوں کی قطار

حُسنِ یزداں سے منوّر ہے جبیں
حُورو غلماں کے لبوں پر آفریں

چل رہے ہیں نور کی شمعیں لیے
جلوہ گاہِ طُور کی شمعیں لیے

یک بیک اِک قبر پر آ کر رُکے
فاتحہ پڑھنے کو تعظیماً جُھکے

تھیں فضائیں دُور تک جلوہ نگار
جھلملایا روشنی کا اِک مزار

آسمانوں سے مجھے آئی نوید
زندہ باد اے مدفن سرور شہید



## شامی شہید

زندہ و پائندہ ہیں شامی شہید
خاکِ مرقد بابِ جنّت کی کلید

ایک پیکر جُرأتِ بیدار کے
مِثل تھے فولاد کی دیوار کے

جورِ باطل کی اداؤں پر ہنسے
آگ برساتی فضاؤں پر ہنسے

رُوبُرو کانٹوں کے سینہ کر دیا
نذر ناموسِ مدینہ کر دیا

اِن کی تُربت ہے وطن کی آبُرو
اِک مُسلماں کے چلن کی آبُرو

# الفتح کا ایک مُجاہد

اے مقدّس سرزمیں تیری قسم !
تُو نہیں تو زندگی بے نُور ہے
تیرے بیٹوں کی جبینوں کے لیے
تیرا ہر ذرّہ چراغِ طُور ہے

تُجھ سے دل کی دھڑکنیں مخمور ہیں
تُجھ سے تابندہ ہے قلبِ آرزُو
چھین لیں گے ایک دن اغیار سے
تیری گلیوں کی سُلگتی آبرُو

دِل کے چھالوں کی بنا کر گولیاں
توپ اور بندوق لے کر آئیں گے
ظُلم کے پُرزے اُڑانے کے لیے
دُرّۂ فاروقؓ لے کر آئیں گے



# اقصیٰ

گنبدِ مسجدِ اقصیٰ کی ضیا واپس لو
اپنے اسلاف کی عظمت کو ذرا واپس لو

آ رہی ہے یہ فضاؤں سے صدائے جوہر
قصرِ ایمان کی پُر نُور ضیا واپس لو

پھر اُٹھو خالدؓ و ضرار و عبیدہؓ بن کر
سطوتِ عہدِ عمرؓ بہر خُدا واپس لو

توڑ دو دستِ ستم دُرّۂ فاروقیؓ سے
پنجۂ جبر سے آئین وفا واپس لو

اِس سے پہلے کہ اُتر آئے زمیں پر سُورج
اپنی بے تاب جبینوں کا صلہ واپس لو

## ضربِ محمود

امتحان آن پڑا ہے تو کوئی بات نہیں
ہم نے سو بار زمانے کے بھرم توڑے ہیں
ضربِ محمود ابھی زندہ و پائندہ ہے
ہم نے بُت خانۂ دوراں کے صنم توڑے ہیں

جاگتی قوم کو للکار کے چھُپنے والو
ارجن و بھیم کے کردار کی توہین ہو تم
دیدۂ وقت کو دیتے ہو فریبِ جمہور
خرمنِ امن میں اِک شعلۂ رنگین ہو تم

تُم نے سمجھا تھا کہ سویا ہے وہ مردِ آہن
جس کی للکار سے میدان دہل جاتے ہیں
اس کی شفاف جبیں پر جو ذرا گرد پڑے
انقلابات زمانے کے سنبھل جاتے ہیں



قوتِ لشکرِ اسلام کو جھیلو تو سہی
بھُول کر پنجۂ حیدر سے اُلجھ بیٹھے ہو
تُند موجوں کے شناور سے ملائی ہے نظر
خاک اور خون کے خوگر سے اُلجھ بیٹھے ہو

کُفر سے دست و گریباں ہی رہیں گے ساغر
امن کی مشعلِ روشن کے امیں ہم ہی تو ہیں
ہم سے آزادیٔ احساس و نظر ہے منسوب
آسماں جس کو پکارے وہ زمیں ہم ہی تو ہیں

## لیلیٰ خالد

اے فلسطیں کی دلہن
تیرا زیور جراُتوں کا بانکپن
تیری شہنائی سلاسل کی چھنن
تیرا کاجل ہے دُھواں بارود کا
تیری مہندی بن گئی خاکِ وطن
اے فلسطیں کی دُلہن

ہے تری بارات میدانِ وغا
تیری ڈولی، تیرا محمل، مورچہ
ہے شہادت رسمِ ایجاب و قبول
توپ کا گولہ مبارک کی صدا
تیرا سہرا گولیاں ہیں اور گن
اے فلسطیں کی دُلہن



ہے اسیری سے تری مِلّت ملُول
زخم تیری سیج کے رنگین پھُول
لبلبی پستول کی، کاکل کا خم
غازۂ رخسار ہے وادی کی دُھول
تیرا جُھومر ہے شجاعت کا چلن
اے فلسطیں کی دلہن

# اِنقلابِ وقت

ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے
رہزنی، غارت گری، بیداد کی تشہیر ہے
عاقبت ہے سر برہنہ آبرو نخچیر ہے
نعرۂ حق و صداقت لائقِ تعزیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

ایک شب اُجڑا کسی بابا کی بیٹی کا سُہاگ!
اُڑ گئی پھولوں کی خوشبو ڈس گئے کلیوں کو ناگ
ظلمتوں میں سو رہے ہیں چاندنی راتوں کے بھاگ
آدمیت ان دِنوں اِک لاشۂ تقدیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

ایک بیچارے نے دَم توڑا شفا گھر کے قریب
برق کے جھٹکے سے ٹھنڈا ہو گیا اِک بدنصیب
لاریوں کی ٹکروں سے مَر گئے کتنے غریب
آج ہر مظلوم کی فریاد بے تاثیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے



اِک محلّہ سے کسی کا لاڈلا گُم ہو گیا
وائے قسمت ایک بوڑھے کا عصا گُم ہو گیا
کارواں سے نغمۂ بانگِ درا گُم ہو گیا
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

چھن گئی مزدور کی پُونجی بھرے بازار میں
اور مُجرم ہو گئے مفرور فوراً کار میں
روز چھپتی ہیں بھیانک سُرخیاں اخبار میں
دیکھیے اک خودکشی کی داستاں تحریر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

زندگی کرتی ہے جُرموں کی تجارت آج کل
چیختی ہے رہگذاروں پر شرافت آج کل
علم کے ماتھے پہ ہے داغِ جہالت آج کل
آج بے نام و نشاں اسلاف کی توقیر ہے
ایک یہ بھی انقلابِ وقت کی تصویر ہے

## ایک پیکر

بکھرے ہوئے ہیں کالے گیسُو
دِل پر ڈسنے والے گیسُو

گوری گوری کومَل باہیں
شام و سحر کی جلوہ گاہیں

پلکوں پر کجلے کے ڈورے
رنگِ حنائی پورے پورے

ہونٹوں پر ہلکا سا تبسّم
آنکھوں میں اعجازِ تکلّم !



ماتھے چندا ٹھوڑی تارہ
چاکِ گریباں ذوق نظارہ

کانوں میں چاندی کے بالے
مدھ متوالے جوبن پیالے

ناگن سی چوٹی لہرائے
لمحے لمحے وِس پھیلائے

اُمرت جل چرنوں کی دھونی
لمبی پلکیں ناک سلونی

زاہد کا ایمان سلامت
حاکم کا فرمان سلامت

## تاریک صدف

جھولیوں میں کوئلے پتھر کے اور مٹی کے روڑ
گاہے گاہے زندگی کے بے محل نشے کا توڑ

ٹوٹے پھوٹے آئنوں میں حُسن فطرت کی جھلک
ہے غبارِ راہ سے ان کی جبینوں پر مہک !

اُجڑے اُجڑے سے گریباں ویراں ویراں سے جمال
کوئلے سے لِکھ دیئے کِس نے ریاضی کے سوال

گیسوؤں میں گردشِ ایّام کی سی اُلجھنیں !
سانولے چہروں میں صبح و شام کی سی اُلجھنیں

اپنے لٹکے آنچلوں سے بے خبر دُھن میں رواں
ہوٹلوں کی بھٹیاں یہ چائے خانوں کا دُھواں



شام کے ڈھلکے ہوئے سائے مِری جاگیر ہیں
چند آنسو چند تارے حاصلِ تقدیر ہیں

مَیں غزالِ صَید بھی ہُوں، ترکشِ صیّاد بھی
مَیں کہ شبنم کا جنم ہُوں اور شعلہ زاد بھی

مَیں کبھی شامِ خزاں ہُوں اور کبھی صبحِ بہار
ہنس کے کھا لیتا ہُوں میں اکثر فریبِ روزگار

میری دُنیا میں اُجالے، ظلمتوں کے پیشوا
مَوجِ طوفاں میری کشتی کے لیے ہے ناخُدا

میں صدف کی آرزو ہُوں میں بگولے کا وجود
میری خاکستر سے روشن ہیں مقاماتِ شہود

پارسائی، زہد و تقویٰ سے مجھے نسبت نہیں
لغزشوں کو جانچ لُوں اتنی مجھے فرصت نہیں

عِشق کے دہکے الاؤ کی گلابی آنچ ہُوں
چُبھ گیا رُوحِ الم کے پاؤں میں وہ کانچ ہُوں

○

گھومتی رہتی ہیں دن بھر کوچہ و بازار میں
ایک حصّہ یہ بھی ہیں دنیا کے کاروبار میں

ان کے گرد و پیش لاکھوں داستانوں کا ہجوم
ان کے پتھر بن سکیں گے کیا کبھی ماہ و نجوم؟

ان کے دامن میں کوئی موتی نہیں تارا نہیں
اِن کی قسمت میں شبستانوں کا نظارہ نہیں

شہر سے کچھ دُور ان کے جھونپڑے آباد ہیں
یہ لبِ ہستی پہ اِک ہنستی ہوئی فریاد ہیں

کانچ کی چوڑی سے ارزاں انکی عصمت کا نگیں
ان کے مذہب میں جہنّم کا کوئی خطرہ نہیں

○

چل بصیرت کی عبا میں ایک تکمہ اور ٹانک
کارخانوں اور مِلوں کے بند دروازوں میں جھانک



چند سکّوں کے لیے ہے بنتِ صحرا کا وقار
ان کے پہلو میں تصوّر اور خیالوں کے مزار

چار پیسے کی کھنک ان کے لیے پائل کا راگ
چُھپ کے ٹھنڈی راکھ میں سوئے ہوئے ہیں انکے بھاگ

ملگجے ملبوس ان کے بے نیازِ رنگ و نور
کوئلوں کا ڈھیر ہے ان کی جوانی کا غرور

اِک شرارہ پھینک دو سارا الاؤ جل اُٹھے
اِک ذرا گرمی سے آنکھیں ہی ملاؤ جل اُٹھے

شام کے ڈھلتے ہوئے سائے جدھر جاتے ہیں دوست
ان کی تقدیروں کے مالک اس طرف آتے ہیں دوست

عید کا چاند

# عید کا چاند

عید کا چاند ہے خوشیوں کا سوالی اے دوست
اور خوشی بھیک میں مانگے سے کہاں مِلتی ہیں
دستِ سائل میں اگر کاسۂ غم چیخ اُٹھے
تب کہیں جا کے ستاروں سے گراں مِلتی ہیں

عید کے چاند ! مجھے محرمِ عشرت نہ بنا
میری صُورت کو تماشائے اَلم رہنے دے
مجھ پہ حیران ہیں یہ اہلِ کرم رہنے دو
دہر میں مجھ کو شناسائے اَلم رہنے دو

یہ مسرّت کی فضائیں تو چلی جاتی ہیں!
کل وہی رنج کے، آلام کے دھارے ہوں گے
چند لمحوں کے لیے آج گلے سے لگ جا
اتنے دن تُو نے بھی ظلمت میں گزارے ہوں گے



# شاعر

وقت کے تیروں سے چھلنی ہیں مرے قلب و جگر
فکرِ فردا میں گزرتے ہیں مِرے شام و سحر

حادثے کرتے ہیں پُرسش میرے حالِ زار کی
میں کہ پگڈنڈی ہُوں جیسے وادئ پُرخار کی

صُورتِ رنج و اَلم ہے غم گُسارِ زندگی
زندگی کو بھی نہیں ہے اعتبارِ زندگی

ٹھوکریں کھاتا ہے میرے گھر میں آ کر ماہتاب
درمیانِ عیش و عشرت میری ہستی ہے حجاب

لوگ فرزانہ سمجھتے ہیں مگر مدہوش ہُوں
مَیں کلیمِ نُورونکہت ہُوں مگر خاموش ہُوں

مَیں وُہ سجدہ ہُوں جسے آدم کا سر تکتا رہا
مَیں وہ نالہ ہُوں جسے سوز اَثر تکتا رہا

## مَست نظر جوگی

او مَست نظر جوگی

کَب ظلمتِ ہستی میں تقریب سَحر ہو گی — او مَست نظر

اسرارؔ بتا مجھ کو ہاتھوں کی لکیروں کا
تقدیر کے رانجھوں کا امید کی ہیروں کا
حالات کی نگری میں بدنام فقیروں کا
کب اُجڑی ہوئی بستی پھُولوں کانگر ہو گی — او مَست نظر

دے کوئی جواب آخر کچھ میرے سوالوں کا
تدبیر کے آشفتہ مجروح غزالوں کا
بے چین اُمنگوں کا بے باک خیالوں کا
ہم درد کے ماروں کی کیا یُوں ہی بسر ہو گی — او مَست نظر

ہم جن کے لیے اپنی جنت کو مِٹا بیٹھے
ہم جن کے لیے اپنی سطوت کو گنوا بیٹھے
ہم جن کے لیے اپنی عزت کو لُٹا بیٹھے
کیا اُن کو بھی یُوں اپنے لُٹنے کی خبر ہو گی — او مَست نظر



…و اَلم گھر میں مہمان رہیں گے کیا؟
…یہ قیامت کے سامان رہیں گے کیا؟
…تاروں کے اِنسان رہیں گے کیا؟
…کے تصرف میں کب شانِ قمر ہو گی؟ — او مَست نظر جوگی

## عورت

اگر بزمِ انساں میں عورت نہ ہوتی
خیالوں کی رنگین جنّت نہ ہوتی

ستاروں کے دِل کش فسانے نہ ہوتے
بہاروں کی نازک حقیقت نہ ہوتی

جبینوں پہ نُورِ مُسرّت نہ ہوتا
نگاہوں میں شانِ مروّت نہ ہوتی

گھٹاؤں کی آمد کو ساون ترستے
فضاؤں میں بہکی بغاوت نہ ہوتی



فقیروں کو عرفانِ ہستی نہ مِلتا
عطا زاہدوں کو عبادت نہ ہوتی

مُسافر سدا منزلوں پر بھٹکتے
سفینوں کو ساحل کی قُربت نہ ہوتی

ہر اِک پھُول کا رنگ پھیکا سا ہوتا
نسیمِ بہاراں میں نکہت نہ ہوتی

خدائی کا انصاف خاموش رہتا
سُنا ہے کسی کی شفاعت نہ ہوتی

## رہے جو کشتِ تمنّا نہال گدڑی میں

ہزار شوق سے ہیں مست حال گدڑی میں
مثال عام ہے، ہوتے ہیں لال گدڑی میں

بنے گی غازۂ رخسار منزل ایام
جمی ہے گردِ رہِ ماہ و سال گدڑی میں

حقیقتوں نے نقابِ مجاز اُلٹے ہیں
مسرتوں نے دکھایا جمال گدڑی میں

اسے تغیر حالات ڈس نہیں سکتے
رکھا حوادثِ غم کا خیال گدڑی میں

کسی نصیب کی اُجڑی ہوئی کہانی سے
غمِ حیات کا دیکھا مآل گدڑی میں



## منزلِ کامگار تھا گجرات

ل شاہ تیرے دو ہوں میں    داستانِ حیات ملتی ہے
ل دل گداز بانہوں میں    عِشق کی کائنات مِلتی ہے

گجرات برکنارِ چناب    مُغلیہ دَور کی نشانی ہے
دی کے دَم سے وابستہ    حُسن اور عِشق کی کہانی ہے

ای وادئ محبت کے    عِلم و عِرفاں کا تاج رکھتے ہیں
پرور سلوک تھے ان کے    عاشقانہ مزاج رکھتے ہیں

سے رَچے گلی کوچے    جن میں شرفائے وقت رہتے ہیں
ا کے جلو میں تنکے بھی    موجِ ہستی کے ساتھ بہتے ہیں

ا کے بلند مینارے    آسمانوں کی بات کرتے تھے
اثر یہاں اشاروں میں    در .ہانوں کی بات کرتے تھے

بکھرے بکھرے سے گیسوؤں والے — ہر مسافر کو ٹوک دیتے
نوجواں حادثاتِ دوراں کو — زورِ بازو سے روک دیتے

ماہ پارے قیام کرتے ہیں — منزلِ کامگار تھا گجرا
مغلیہ دور کے گلستاں کی — جگمگاتی بہار تھا گجرا

شہرِ گجرات کے حسیں برتن — چین و ایران بھیجے جاتے
دُور و نزدیک کے دیاروں میں — گُل کے سامان بھیجے جاتے

شہرِ گجرات کی حسیں گلیاں — جن میں رقصِ بہار دیکھا
سادہ مٹی کے ایک برتن میں — ذوقِ پروردگار دیکھا

ہلکے ہلکے صراحیوں کے بدن
جیسے پریاں ارم سے آئی ہیں
یا کوئی آیتیں تقدس کی
اِذن لے کر حرم سے آئی ہیں



## ابیات

کبھی کبھی آنسوؤں نے چُھپ کر کیا ہے کیفِ شراب پیدا
کبھی کبھی شامِ غم نے بخشی ہے زندگی کو عجیب مستی

آنکھ جب اشکبار ہوتی ہے
لالہ زاروں میں آگ لگتی ہے

چاند تاروں میں آگ لگتی ہے
ماہ پاروں میں آگ لگتی ہے

ہوش کو جام کی ضرورت ہے
عقل کو دام کی ضرورت ہے

وہاں اب تک سُنا ہے سونے والے چونک اُٹھتے ہیں
صدا دیتے ہوئے جن راستوں سے ہم گزر آئے

یہ مَسندیں یہ مقابر یہ جھولیوں کا عروج
یہ ظلمتوں کا اثاثہ تمام بدلے گا

معرفت کے نقیب ہوتے ہیں
زندگی کے خطیب ہوتے ہیں

حادثے شوخ اداؤں کی طرح ملتے ہیں
بُت بھی اب ہم کو خداؤں کی طرح ملتے ہیں

گیت اس عہدِ بے تکلّف میں
بربط و چنگ و نے کو ترسے ہیں

ساغؔر کہاں مجال کہ آنکھیں ملائیں ہم
رُسوائیاں ہیں گھات میں مدّت گزر گئی

ساقیا تیرے بادہ خانے میں
نام ساغؔر ہے مَے کو ترسے ہیں



اس منزلِ حیات سے گزرے ہیں اِس طرح
جیسے کوئی غُبار کسی کارواں کے ساتھ

چند غزلوں کے رُوپ میں ساغؔر
پیش ہے زندگی کا شیرازہ

میکدہ ان کا ٹھکانا' نہ حَرم ہے ڈیرہ
بادہ کش اُڑتی ہواؤں کی طرح ملتے ہیں

# قطعات

کوئی تازہ اَلم نہ دکھلائے
آنے والے خوشی سے ڈرتے ہیں
لوگ اب موت سے نہیں ڈرتے
لوگ اب زندگی سے ڈرتے ہیں

چشم کو اعتبار کی زحمت
دِل کو صبر و شکیب دیتا ہے
آئینے میں نہ عکسِ ہستی دیکھ
آئینہ بھی فریب دیتا ہے

پھر اُمڈ آئے ہیں یادوں کے سُہانے بادل
پھر دِل زار میں اِک شعلۂ ارماں جاگا
میرے افکار کے بجھتے ہوئے ریزے چونکے
میرے حرماں کا سُلگتا ہوا عنواں جاگا



ے کہ تخلیقِ بحروبر کے خُدا
، پہ کِتنا کرم کیا تُونے
ری کٹیا کے دیپ کی خاطر
ندھیوں کو جنم دیا تُونے

وقت وارث کا صفحۂ قرطاس
ہیر دُنیا کا اجنبی قصّہ
جھنگ سہتی کے مکر کی نگری
اور کیدو خیال کا حِصّہ

ظر ہُوں کسی آوارہ گھٹا کی ڈولی !
رے تپتے ہُوئے آنگن میں اُتر آئے گی!
رجتے ہوئے چڑھتے ہوئے طوفانوں میں
دوراں کی نئی راہ نظر آئے گی

دُکھ بھری داستان ماضی کی
حال کی بے رُخی کا قِصّہ ہُوں
ے حقیقت کے ڈھونڈنے والے
مَیں تِری جستجو کا حصّہ ہُوں

ہلکے جھونکوں میں تری زلفِ پریشاں کا خمار
بجلیاں جیسے ترے کان کا بالا چمکے
دور یادوں کے مہکتے ہوئے جنگل میں کہیں
جیسے چھوٹا سا بہاروں کا شوالا چمکے

دھوپ کا نام زندگی ہی نہیں
حادثے بھی حسین دیکھے ہیں
دلِ بیدار کی نگاہوں سے
سنگ بھی مہ جبین دیکھے ہیں

اس درجہ دردِ افشاں غنچوں کی داستاں تھی
کانٹے سے چبھ رہے ہیں احساس کے بدن میں
شاخوں پہ اُن کے ساغر گیسو مہک رہے ہیں
ترتیب پا رہی ہیں رنگینیاں چمن میں

میں نے لوح و قلم کی دنیا کو
جشنِ دار و صلیب سمجھا ؟
اے تنفس کے جانچنے والے
تجھ کو کتنا قریب سمجھا ؟



ایک بہکی ہوئی نظر تیری
رُخ نئی کونپلوں کے موڑ گئی
ایک بے نام درد کی ٹھوکر
چاندنی کے ظروف توڑ گئی

ساقیا ایک جام پینے سے
جنتیں لڑکھڑا کے ملتی ہیں
لالہ و گل کلام کرتے ہیں
رحمتیں مسکرا کے ملتی ہیں

نور و ظلمت کا احتساب نہ کر
وقت کا کاروبار سانجھا ہے
اس طلسمات کے جہاں میں حضور
کوئی کیدو ہے کوئی رانجھا ہے

اے ستاروں کے چاہنے والو
آنسوؤں کے چراغ حاضر ہیں
رونقِ جشنِ رنگ و بو کے لیے
زخم حاضر ہیں، داغ حاضر ہیں

آہ! تیرے بغیر یہ مہتاب
ایک بے سر کی لاش ہو جیسے
کسی دوزخ کے آتشیں یہ پھل
آتشِ آمیز قاش ہو جیسے

چُھپ کے آئے گا کوئی حُسنِ تخیل کی طرح
آج کی رات چراغوں کو جلانا ہے منع
کھول دو ذہن کے سہمے ہوئے دروازوں کو
آج جذبات پہ لہروں کا بٹھانا ہے منع

مجھ کو پھُولوں سے شکایت ہے نہ کانٹوں سے گلہ
مَیں ترے جلوۂ رُخسار کا دم بھرتا ہُوں
میں نہیں شیخ و برہمن کی عقیدت کا مزار
بندگی اپنے خیالوں کی کیا کرتا ہُوں

بیقراری میں بھی اکثر دردمندانِ جنُوں
اے فریبِ آرزو تیرے سہارے سو گئے
جن کے دَم سے بزمِ ساغر تھی حریفِ کہکشاں
اے شبِ ہجراں کہاں وہ مہ پارے سو گئے



سونے چاندی کی چمکتی ہوئی میزانوں میں
میرے جذبات کی تسکین نہیں ہو سکتی
زندگی روزِ ازل سے ہے چھلکتا ہُوا زہر
زندگی لائقِ تحسین نہیں ہو سکتی

قافلے منزلِ مہتاب کی جانب ہیں رواں
میری راہوں میں تری زُلف کے بل آتے ہیں
میں وہ آوارۂ تقدیر ہُوں یزداں کی قسم
لوگ دیوانہ سمجھ کر مجھے سمجھاتے ہیں

ایک شبنم کے قطرے کی تقدیر کو
آزماتی رہی رات بھر چاندنی
صبح دیکھا شگوفے تھے ٹوٹے ہُوئے
گُل کِھلاتی رہی رات بھر چاندنی

کیوں سہاگن بنی ہیں اُمیدیں
چاند ہی چاند رات کا دُولہا
شش جہت کا سنگھار لازم ہے
آئے گا شش جہات کا دولہا

وقت کے ہاتھ میں لہراتا ہے رِم جھم کا رُباب
دُور تک ایک نشیلا سا فسُوں طاری ہے
اے مچلتے ہوئے لمحو! ذرا ہُشیار رہو
آج کی رات ستاروں پہ بہت بھاری ہے

جوگیوں کو پُکارنے والی
جوگ تیرے لبوں کی لالی ہے
اَبرووَں کی حسین چوکھٹ پر
عِشق کا دیوتا سوالی ہے

زندگی اور شراب کی لذّت
اِک نرالا سُرور دیتی ہے
ایک کرتی ہے کاروبارِ خدا
ایک ترغیبِ حُور دیتی ہے

ہر ماہ لُٹ رہی ہے غریبوں کی آبُرو
چڑھنے لگا ہلالِ قضا دام چڑھ گئے
اے وقت مجھ کو غیرتِ انساں کی بھیک دے
روٹی میں بک گئی ہے رِدا' دام چڑھ گئے



ہے احتسابِ وقت کی لٹکی ہوئی صلیب
ہر روز جیسے روزِ جزا دام چڑھ گئے!
نقدِ خرد سُرورِ تمنّا کا مول ہے
ارماں کا رنگ زرد ہُوا دام چڑھ گئے

جامِ عشرت کا ایک گھونٹ نہیں
تلخیِ آرزو کی مینا ہے
زندگی حادثوں کی دنیا میں
راہ بھولی ہوئی حسینہ ہے

چاندنی میں قرارِ دل نہ لُٹا
چاندنی رات بھر کا میلہ ہے
پھر ملیں گے اگر بہار آئی
زندگی رہ گزر کا میلہ ہے

لالہ و گُل پہ راج ہے اپنا
ہم ستاروں کے ساتھ تُلتے ہیں
پی کے اِک جام دستِ ساقی سے
دو جہانوں کے راز کُھلتے ہیں

آؤ بادہ کشوں کی بستی سے
کوئی اِنسان ڈھونڈ کر لائیں
مَیں فسانے تلاش کرتا ہُوں
آپ عنوان ڈھونڈ کر لائیں

ہم فقیروں کی صُورتوں پہ نہ جا
ہم کئی روپ دھار لیتے ہیں
زندگی کے اُداس لمحوں کو
مُسکرا کر گزار لیتے ہیں

دخترِ رز کو زہرہ فام نہ کہہ
کوئی ہمنام لڑ پڑے گا دوست
جام کو آئینہ کی سمت نہ رکھ
جام سے جام لڑ پڑے گا دوست

جانے والے ہماری محفل سے
چاند تاروں کو ساتھ لیتا جا
ہم خزاں سے نباہ کر لیں گے
تو بہاروں کو ساتھ لیتا جا



رہبروں کے ضمیر مُجرم ہیں
ہر مُسافر یہاں لُٹیرا ہے
معبدوں کے چراغ گُل کر دو
قلبِ انسان میں اندھیرا ہے

وحشتِ دل نے کانچ کے ٹکڑے
میری فردوس میں بکھیرے ہیں
قریۂ ماہتاب کے جویا !
بسترِ خاک پر بسیرے ہیں

انقلابِ حیات کیا کہیے
آدمی ڈھل گئے مشینوں میں
میرے نغموں کا دل نہیں لگتا
ماہ پاروں میں، مہ جبینوں میں
جاؤ اہلِ خرد کی محفل میں
کیا کرو گے جنوں نشینوں میں

## رُباعیات باہُوؒ

ترجمہ ............ ساغر صدیقی

میرے من میں خوشبو جاگی
انگ انگ لہرائے ہُو
جیوے مُرشد جس نے باہُو
ایسے پُھول کھلائے ہُو

عِلم کا نام ہے اندھا گونگا
عالم ہے بازاری ہُو
ایک فقیر ہے ایسا باہُو
جس کی حق سے یاری ہُو

عِشق نے ایسے دیپ جلائے
جیسے رات کے تارے ہُو
شہ رگ سے نزدیک ہے باہُو
عِشق کے کھیل نیارے ہُو



قربِ وصال نہ جسم نہ جاں ہے
عِشق و محبت کافی ہُو
صرف نظر کے سامنے باہُو
اِک وحدت سُبحانی ہُو

آگ ہی آگ ہے اندر باہر
یہ مشہور تماشا ہُو
جن کے دل وحدت سے خالی
ان سے عِشق کا جھگڑا ہُو

اندر باہر کچھ نہیں مِلتا
مَن میں ہُو کا ڈیرا ہُو
جہاں محبت کرے اُجالا
بھاگے دُور اندھیرا ہُو

ہے اِقرار فنا سے باہُو
اِک پَل نیند نہ آئے ہُو
تجھ پہ قیامت ٹوٹے دنیا
جُھوٹے اشک بہائے ہو

حاجتِ ناؤ نوش نہیں ہے
فقرا بھرا پیمانہ ہو
زاہد و عابد دیکھا باہُو
روٹی کا دیوانہ ہو

نشۂ غم ضرور رہتا ہے
میری آنکھوں میں نُور رہتا ہے
حُسن والوں کو دیکھ کر ساغر
بن پیئے ہی سرور رہتا ہے

ہر قدم پر رقص فرماتے چلو
زندگی کے ساز پر گاتے چلو
میں جلاتا ہوں چراغ کارواں
تُم ذرا دامن کو لہراتے چلو

عجب ہے خُم کے خُم پی کے بھی فرزانے سے نکلے ہیں
ہجومِ ہوش لیکن ہم تو مے خانے سے نکلے ہیں
حکایاتِ غمِ دوراں، روایاتِ غمِ جاناں
حقیقت ہے نہ ٹکڑے میرے افسانے سے نکلے ہیں



سبُو سبُو سے خیالوں کی بھیک مانگی ہے
کرن کرن سے اُجالوں کی بھیک مانگی ہے
نہ دے سکی یہ تہی ظرف سنگدل دُنیا
مری نظر نے سوالوں کی بھیک مانگی ہے

آدمیت کا نام لیتے ہو
ریگ زاروں میں ناؤ کھیتے ہو
پھُول چن کر چمن کے دامن سے
سنگ ریزوں کے دام دیتے ہو

بُوں تو آنے کو بہت لوگ یہاں آئیں گے
ہم خرابات نشیں یاد کہاں آئیں گے
ب تو سی لُوں گا مرے حرف تمنّا کے حریف
ور وہ اَشک جو بن بن کے زباں آئیں گے

رنگ کھوئے ہوئے ہیں شور نہ کر
پھُول سوئے ہوئے ہیں شور نہ کر
وقت کے سحر کار گلشن میں
خار بوئے ہوئے ہیں شور نہ کر

گنگناتی ہوئی گھٹائیں ہیں
یا فقیروں کی التجائیں ہیں
جام و مینا، شراب، پیمانے
ہوش کی جاں فزا دوائیں ہیں

تشنگی تشنگی، ارے توبہ!
قطرے قطرے کو ہم ترستے ہیں
اے خداوندِ کوثر و تسنیم
تیرے بادل کہاں برستے ہیں

انوکھا پیار تھا اُڑتا پنچھی کون بتائے دُنیا کو
لوگ ابھی تک دل میں لیے یادوں کے بسیرے پھرتے ہیں
تیری ایک لگن میں جانے کتنے دل والے نادان
نگری نگری گھوم رہے ہیں، ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں

دل میں کسی کی یاد کا طوفان رہ گیا
مَیں نیم جان سوختہ سامان رہ گیا
آنکھوں میں اشک آ گئے پھولوں کو دیکھ کر
گلشن مری امید کا ویران رہ گیا



لمیاں سوچاں، ڈونگھیاں سوچاں، بھڑیاں سوچاں، اَنھیاں سوچاں
سوچدا رہندا اے دِل میرا ہر دَم وَن سوَنّیاں سوچاں
غم دے چھلیڈے، رنج دے سائے فیروی مگروں لے نہ سکے
ساقی تیرے درد دے اُتے ساغر دے نال بھیاں سوچاں

جب وہ محوِ شباب ہوتے ہیں
آئینے بھی رُباب ہوتے ہیں
اُن تبسم فروش آنکھوں سے
سُوکھے پتے گلاب ہوتے ہیں

عاشقی میں حُسن کا انداز رہنا چاہیے
سوز میں ہلکا سا رنگِ ساز رہنا چاہیے
جانے کب دے دے صدا کوئی حریمِ ناز سے
زم والو گوش بر آواز رہنا چاہیے

دیوانہ بے خودی میں بڑی بات کہہ گیا
اِک حشر کی گھڑی کو ملاقات کہہ گیا
پہلا طرب شناس بڑا سنگدل تھا دوست
چیخیں تھیں جن کو جھوم کے نغمات کہہ گیا

گنگناتی، رلیں اُچھال کر چلیے
یا فق مستی میں ڈھال کر چلیے
جا پچھ تغیر کی بیکراں شکنیں
رُوئے ہستی میں ڈال کر چلیے

نگاہوں سے نگاہیں مِل گئی ہیں
بڑی آسان راہیں مِل گئی ہیں
تمہارا شکریہ اے ہنسنے والو
مِرے غم کو پناہیں مِل گئی ہیں

ہزار مرحلۂ شوق سے گزر آئی
لہو میں ڈوب کے ہر آرزو نکھر آئی
صدا مہکتی رہے اے نسیم صبح بہار
یہ آج میرے خرابے میں تو کدھر آئی

شامِ فُرقت کا ماجرا ہُوں میں
ایک بُجھتا ہُوا دیا ہُوں مَیں
مَیں کو انساں کی موت کہتے ہیں
اِس قیامت کی ابتدا ہُوں میں



ل اِک زخم بھی دے سکتا ہے
ل سے وار بھی ہو سکتا ہے
ل دیں سایۂ ابرو گر آپ
م تلوار بھی ہو سکتا ہے

ایسا بھی وقت آئے گا کون و مکاں تعظیم کریں گے
جو بھی کہیں گے دیوانے وہ اہلِ خرد تسلیم کریں گے
اَب کے برس ہم گلشن والے اپنا حصّہ پورا لیں گے
پھُولوں کو تقسیم کریں گے کانٹوں کو تقسیم کریں گے

وج طوفاں بدوش رہتی ہے
گل کی آغوش میں شرارہ ہے
زندگی جس کو لوگ کہتے ہیں
چشمِ ساقی کا اِک اشارہ ہے

مَے کدہ دُور ہے اور شام ہوئی جاتی ہے
آنکھ بے نُور ہے اور شام ہوئی جاتی ہے
گردشِ وقت کی بے نام تھکن سے ساقی
زندگی چُور ہے اور شام ہوئی جاتی ہے

گنگناتی رلد کے چراغ لے جاؤ
یا فق ا و مینا ایاغ لے جاؤ
چشمِ ساقی ہے مہرباں ساغر
اہ زندگی کا سُراغ لے جاؤ

چاندنی شب کی دھول پی جاؤ
مے نہیں ہے تو پھول پی جاؤ
گھول کر مے کدے کے [illegible] میں
زندگی کے اصول پی جاؤ

زُلف نے بل کوئی کھایا تو بُرا مان ـــ
چاند بدلی میں جو آیا تو بُرا مان گئے
اور تو سب کو پلاتے رہے مَست آنکھوں سے
ہاتھ ساغر نے بڑھایا تو بُرا مان گئے

دلِ محرم اسرار ہے پردہ نہ اٹھاؤ
اب درد ہی دیدار ہے پردہ نہ اُٹھاؤ
ہر دست میں چمکی ہوئی وحشت کی لکیریں
ہر آنکھ گنہ گار ہے پردہ نہ اُٹھاؤ